حقوقِ انسانی کا اسلامی منشور

اخترامام عادل

جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور، بہار

نام کتاب: حقوق انسانی کا اسلامی منشور

مصنف: مولانا اختر امام عادل قاسمی

سن اشاعت: ۲۰۰۲ء

زیر اہتمام: جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار

تعداد: ۱۱۰۰

قیمت: ۴۰ر روپے

ناشر: مجلس تحقیق وتصنیف جامعہ ربانی منورواشریف
پوسٹ سوہما، وایا۔ بتھان، ضلع سمستی پور، بہار

ملنے کے پتے:

☆ مکتبہ جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، وایا۔ بتھان ضلع سمستی پور، بہار۔ ۸۴۸۲۰۷

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ضلع سہارن پور، یوپی

☆ مفتی نسیم الدین قاسمی، امام مدنی مسجد اراوی اپارٹمنٹ الکنندا۔ نئی دہلی۔ ۱۹ موبائل: ۹۸۱۰۹۷۸۳۱۰

☆ محمد سعد اللہ القاسمی مسجد حضرت علی رضا، دہلی بازار، گھنٹہ گھر، میرٹھ شہر۔ یوپی

اِنتساب

میں اپنی یہ کوشش اپنے والدین اساتذۂ کرام کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی حسنِ تربیت اور نگاہِ التفات سے میں یہ خدمت پیش کرنے کے لائق ہو سکا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے۔ آمین

فہرست

ج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
مفتی دارالعلوم دیوبند وصدر اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

آج کل حقوق انسانی پر عام طور پر بحث ہوتی رہتی ہے اور ہر پارٹی بلکہ ہر مذہب کے ماننے والے عوام وخواص میں پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں اور ہماری پارٹی میں انسانی حقوق کی پوری رعایت کی جاتی ہے اور سبھوں کو ان کے حقوق دیے جاتے ہیں، حق تلفی کسی انسان کی کسی طور پر جائز نہیں ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ برادر عزیز مولانا اختر امام عادل قاسمی مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور، بہار نے اسلامی حقوق کا ''اسلامی منشور'' کے نام سے ایک مستقل کتاب مرتب کردی ہے۔ میں نے جگہ جگہ سے اس کا مطالعہ کیا پہلے انسانی حقوق کی مختلف مصنفوں نے جو تعریف کی ہے اسے حوالے سے درج کیا ہے پھر مختلف مذاہب اور مختلف ملکوں نے انسانی حقوق کی جو نشان دہی کی ہے اسے نقل کیا ہے۔ بالخصوص اقوام متحدہ کی تمام دفعات نقل کی گئی ہیں۔ اس کے بعد اسلامی حقوق کی تفصیل کتاب وسنت اور تاریخ کی روشنی میں بحث کی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام نے

جو انسانی حقوق عطا کیے ہیں وہ سب پر فائق ہیں۔ بحث ہر طرح مدلل مضبوط اور مکمل ہے۔ اور انسانی حقوق کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

عزیز موصوف کی یہ کتاب ہر ذی علم کے لیے نشان راہ ہے تاکہ وہ یہ جان سکے کہ اسلامی قوانین وضابطے کس قدر مکمل ہیں اور انسانی حقوق کا کوئی گوشہ یہاں تشنہ نہیں ہے۔ ضرورت اس کی ہے اہل دنیا اسلامی قوانین کا انصاف کے ساتھ مطالعہ کریں اور اسے پوری دنیا پر نافذ کرنے کی سعی کریں۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں کافی محنت کی ہے اور کتاب وسنت کی وہ آیات اور احادیث جن کو پڑھ کر ہم گذر جاتے ہیں اور غور وفکر سے کام نہیں لیتے ہیں مولانا نے ذہن وفکر کو بیدار کر دیا ہے اس کتاب میں ضمناً مزدوروں کے حقوق بھی تفصیل سے آگئے ہیں اور حکمراں طبقہ کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی گئی ہیں عہد نبوی اور عہد صحابہ کے واقعات نے مضمونِ کتاب کو آئینہ کر دیا ہے اور ہر شخص کے لیے اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالی عزیز محترم کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ان کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ ناظرین کتاب اسے پڑھ کر خوش ہوں گے اور مولانا موصوف کو دل سے دعا دینے پر مجبور ہوں گے۔

طالب دعا
محمد ظفیر الدین غفرلہ
مفتی دار العلوم دیو بند
۲۷ر شعبان ۱۴۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

''حقوق انسانی'' کے مسئلے کو اس دور میں بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ مگر اسلام کے نزدیک روز اول ہی سے اس کو اہمیت حاصل ہے اس موضوع پر لکھنے اور بولنے والے لوگ بالعموم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اہل مغرب کی تحریک ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کا آغاز عہد اسلامی سے ہوا۔ میں نے اس کتابچہ میں عالمی منشور اور اسلامی منشور دونوں کو آمنے سامنے رکھ کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جن حقوق انسانی کے علمبرداری کا دعویٰ آج مغربی مفکرین کو ہے اسلام ان کا بہت پہلے سے علمبردار ہے اور پندرہ سو سال سے زیادہ طویل عرصہ گذرنے کے باوجود حقوق انسانی سے متعلق اس کے کسی دفعہ یا شق کو فرسودہ یا بے معنی نہیں کہا جاسکتا ہے اور آج انسانی دنیا بے پناہ ترقی کرنے کے باوجود اسلامی منشور کے حدود سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتابچہ دراصل نہ کوئی مستقل کتاب ہے اور نہ باقاعدہ کوئی مقالہ۔ یہ صرف چند یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔

آج سے کئی سال قبل اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے جانب سے حقوق انسانی کے موضوع پر ایک سوال نامہ موصول ہوا اس سوالنامے سے عہد جدید میں اس مسئلے کی حساسیت کا احساس ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عنقریب دہلی میں اکیڈمی کی طرف سے ایک سیمینار منعقد ہو رہا ہے میں نے سوالنامے کے مطابق کچھ ملاحظات اور یادداشتیں لکھنی شروع کیں اور جو کتابیں سر دست مجھے میسر ہوسکیں ان کی روشنی میں کچھ نوٹس (Notes) مرتب کیے پتہ نہیں کیا وجہ ہوئی سیمینار تو ہوا نہیں البتہ یادداشتیں جو مختلف کتابوں سے مرتب کی گئی تھیں میرے پاس محفوظ رہیں اس کے بعض حصے ترجمان دارالعلوم دہلی اور بعض رسائل میں

شائع ہوئے تو بعض رفقاء کا اصرار ہوا کہ اس کو کتابی صورت میں شائع ہونا چاہیے حالانکہ اس میں نہ کوئی جدت طرازی تھی اور نہ شان تحقیق اس لیے مجھے کچھ تامل تھا لیکن دوستوں کے اصرار کی بنا پر جامعہ ربانی کی طرف سے شائع کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

بہر حال جیسا کچھ ہے اہل نظر کے سامنے ہے۔ جو صواب ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کمی ہو وہ میری کوتاہی علم کا قصور ہے۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ کتاب پر تنقید و اصلاح کی نظر ڈال کر حقیر مرتب کو اس کی خامیوں سے آگاہ فرمائیں **فجزاکم اللہ احسن الجزاء**۔

میں حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی دامت برکاتہم مفتی دار العلوم دیوبند و صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا بے حد ممنون ہوں کہ حضرت والا نے کتابچہ کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے گرامی تحریر فرمائی اللہ تعالیٰ حضرت والا کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رکھے اور آپ کے فیوض سے ہمیں زیادہ سے زیادہ استفادے کا موقع عنایت فرمائے۔ آمین

اس موقع پر سرپرست جامعہ ربانی حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کے فیوض عالیہ سے جامعہ ربانی روز افزوں ترقیات کی منزل کی طرف گامزن ہے اور آپ ہی کے حکم کے مطابق وسائل کی کمی اور بے سروسامانی کے باوجود جامعہ کی طرف سے علمی کتابوں کی اشاعت کا یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور غیب سے جامعہ کی ترقیات کے اسباب و وسائل مہیا فرمائے۔ آمین

والسلام

اختر امام عادل

خادم جامعہ ربانی

۲۹ر دسمبر ۲۰۰۳ء

''حقوق انسانی'' کا مسئلہ آج ایک عالمی مسئلہ بنا ہوا ہے، عالمی برادری اس مسئلہ کو اٹھاتی ہے، مستقل اس کے لئے عالمی اور ملکی تنظیمیں بن گئی ہیں اور جب کبھی چھوٹے ممالک بالخصوص اسلامی ممالک میں کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے جس سے حقوقِ انسانی کے مفروضہ پر زد پڑتی ہو تو مغربی میڈیا اور حقوقِ انسانی کی عالمی تنظیمیں اس طرح شور مچاتی ہیں، جیسے کہ یورپ ہی حقوق انسانی کا تنہا محافظ ہو اور اسلام نے حقوقِ انسانی کے لئے کچھ بھی نہ کیا ہو حالانکہ اسلام انسانی حقوق کا اولین علمبردار ہے۔ یورپ میں بنیادی یا انسانی حقوق کی اصطلاح کو رائج ہوئے تین ساڑھے تین سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ یہ درحقیقت فطری حقوق کے اس قدیم نظریہ ہی کا دوسرا نام ہے جسے اولاً یونانی مفکر زینو (ZENO) نے پیش کیا تھا، اور پھر روم کے مشہور مقنن سسرو (CICERO) نے قانونی اور دستوری زبان میں مزید واضح کیا۔

انسانی حقوق کا تصور

گاس ایز میچو فار بنیادی حقوق کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''انسانی یا بنیادی حقوق جدید نام ہے ان حقوق کا جنہیں روایتی طور پر فطری حقوق کہا جاتا ہے۔ اور ان کی تعریف یوں ہو سکتی ہے کہ وہ اخلاقی حقوق جو ہر انسان کو ہر جگہ اور ہمہ وقت اس بنیاد پر حاصل رہتے ہیں کہ وہ دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں اس

اعتبار سے ممتاز ہے کہ وہ ذی شعور و ذی اخلاق ہے، انصاف کو بری طرح پامال کئے بغیر کوئی بھی شخص ان حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا"

(بنیادی حقوق مُرتبہ محمد صلاح الدین : ص، ۲۷)

بنیادی حقوق کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے جسٹس جیکسن کہتے ہیں۔

"کسی شخص کی زندگی، آزادی، ملکیت، آزادیٔ تقریر و تحریر، آزادیٔ عبادت و اجتماع اور اسی طرح کے دوسرے بنیادی حقوق کسی رائے شماری کے لئے پیش نہیں کئے جا سکتے، ان کا انحصار انتخابات کے نتائج پر ہرگز نہیں ہے۔

(بنیادی حقوق مُرتبہ محمد صلاح الدین :ص ، ۲۷)

یورپ میں یہ تصور بقول ڈبلیو فریڈ مین اولاً قرون وسطیٰ کے معاشرتی نظام کے خلاف اور ثانیاً سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی جدید ریاست کی آمرانہ حکومت کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھرا ہے، جبکہ اسلام نے جو تصور حقوق پیش کیا ہے وہ کسی رد عمل کا نتیجہ نہیں تھا، وہ خالق انسانیت کی طرف سے انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل اور اعلیٰ انسانی قدروں کی تلقین تھی،

اس طرح مغرب نے انسانی حقوق کا جو خاکہ پیش کیا اس کی حیثیت اپنے تاریخی پس منظر کی بنا پر دفاعی ہے۔ جبکہ اسلام کے نقشۂ حقوق کی حیثیت اقدامی ہے،

مغربی تصوّر اور اسلامی تصوّر کے امتیازات

اس کے علاوہ دونوں کے تصور حقوق میں بھی فرق ہے،

(۱) مغرب میں بنیادی حقوق کا دائرہ صرف فرد اور ریاست کے تعلقات تک محدود ہے وہاں ان حقوق کو بنیادی قرار دیا جاتا ہے جو ریاست کے وسیع اختیارات کے

مقابلے میں ایک شہری کو حاصل ہوتے ہیں، وہاں فرد اور ریاست باہم فریق نظر آتے ہیں، اور دستور کی حیثیت ان کے درمیان ایک سمجھوتے کی سی ہوتی ہے، جبکہ اسلام میں عام شہری اور ان کی ریاست کے حکمران باہم فریق نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں یکساں حیثیت میں اپنے رب اور مقتدر اعلیٰ کے ساتھ ایک عہد وفاداری میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہاں دونوں اپنی ان ذمہ داریوں کے پابند ہیں جو مقتدر اعلیٰ کی جانب سے ان کو دی گئی ہیں، نہ شہری کے حقوق حکمراں کے تسلیم شدہ ہیں اور نہ حکمراں کے اختیارات شہری کے منظور کردہ" (بنیادی حقوق مرتبہ محمد صلاح الدین :ص ، ۲۷)

(۲) اور سب سے اہم فرق یہ ہے کہ وہ مقتدر اعلیٰ ہستی کون ہے؟ جس کی اطاعت و فرمانبرداری ریاست کے ہر فرد پر لازم ہے، اور تمام تر اختیارات کا آخری مرکز ہے۔ یورپ انسانوں ہی کے ایک مجموعے کو اس ہستی کا مصداق ٹھہراتا ہے، اور اس طرح نتیجہ کے طور پر وہ انسانوں کو حاکم ومحکوم کے دو طبقوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ مقتدر اعلیٰ وہ ہستی ہے جو ساری کائنات کا خالق و مالک اور "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ہے۔ دنیا کے تمام انسان صرف اسی ایک کے احکام کے پابند ہیں، بحیثیت انسان اُن میں کوئی تفریق نہیں ہے، سب کے سب خدا کے محکوم ہیں، یہاں حاکم ومحکوم کی طبقاتی تقسیم نہیں ہے اور روئے زمین پر انسانی حکومت کوئی حقیقی حکومت نہیں بلکہ بحیثیت خلیفۃ اللہ ایک نیابتی حکومت ہے، جس شخص کو یہ منصب دیا جاتا ہے وہ دراصل زمین پر خدا کا خلیفہ ہوتا ہے، جو اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کے احکام نافذ و جاری کرتا ہے۔ اور اس کی سلطنت کا ہر ضابطہ و دستور حکمِ الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔ قرآن میں متعدد جگہوں پر مختلف اسلوبوں میں اس کا اعلان کیا گیا ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (یوسف۔ ۴۰) فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف۔ ۵۴) خبردار خلق اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے۔

لَمْ یَکُنْ لَہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ (بنی اسرائیل۔ ۱۱۱) بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (القصص۔ ۸۸) اللہ اور اس کے سوا کسی دوسرے کو نہ پکارو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی ○ (طٰہٰ۔ ۷) مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں اور مٹی کے نیچے ہیں۔

اس خدائی سلطنت میں انسان کی حیثیت کیا ہے اس کے بارے میں ارشاد ہے،

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ (النساء۔ ۱۰۵) ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس علمِ حق کے ساتھ فیصلہ کرے جو خدا نے تجھے دیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (النور ۵۵)

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیا ہے، کہ وہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے اس سے

پہلے لوگوں (مومنین وصالحین) کو خلیفہ بنایا تھا۔

یہ مغرب کی بنیادی غلطی تھی کہ اس نے قانون سازی کے باب میں مقتدر اعلیٰ کی ہستی کو تبدیل کر دیا۔ انسان خواہ کتنا ہی پڑھا لکھا، قوموں اور افراد کی اجتماعی اور شخصی نفسیات سے باخبر، اور پاکیزہ جذبات واحساسات کا حامل ہو، اور کتنی ہی غیر جانبداری کے ساتھ قانون سازی کا کام انجام دے۔ مگر شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے مرتب کردہ قوانین پر اس کے ذاتی، نسلی، خاندانی یا قومی رجحانات کا اثر پڑنا لازمی ہے، انسان اپنے محدود علم ومطالعہ اور متاثر ہونے والے ذہن ومزاج کے ساتھ انسانی برادری کے ہر طبقہ کے ساتھ مکمل انصاف کا معاملہ کر ہی نہیں سکتا، یہ کام صرف اس قادر مطلق ہستی کا ہے، جس کو ہر ہر چیز کی خبر ہے، جو ہر قسم کے خیالات واحساسات سے بالاتر ہے، اور جس کو اپنے ہر ہر بندے سے پیار اور تعلق ہے۔

مغرب میں حقوقِ انسانی کی تاریخ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی منشور کے مطالعہ سے قبل ایک نظر ہم مغرب میں حقوقِ انسانی کی تاریخ پر ڈال لیں، سید صلاح الدین (پاکستان) نے اپنی کتاب ”بنیادی حقوق“ میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس کو جمع کیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”بنیادی حقوق کی جد وجہد کا اصل آغاز گیارہویں صدی میں برطانیہ سے ہوا، جہاں ۱۰۳۷ء میں شاہ کانریڈ ثانی (CONRED 11) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کئے، اس منشور کے بعد پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات میں توسیع کی کوششیں شروع کیں، ۱۱۸۸ء میں شاہ الفانسونہم

(ALFONS IX) سے جس بیجا کا اصول تسلیم کرا لیا گیا، ۱۵؍ جون ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا'' جاری ہوا جسے ''منشور آزادی'' قرار دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ''میگنا کارٹا'' برطانیہ میں ''بنیادی حقوق'' کی اہم ترین اور تاریخ ساز دستاویز ہے، لیکن اس کا یہ مفہوم بہت بعد میں اخذ کیا گیا ہے، اس وقت اس کی حیثیت امراء (BARON) اور شاہ جان (KING JOHN) کے درمیان ایک معاہدہ کی سی تھی، جس میں امراء کے مفادات کا تحفظ کیا گیا تھا، عوام کے حقوق سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ''ہنری مارش'' کہتا ہے کہ ''بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

(HENRY MARSH " DOCUMANTS OF LIBERTY" DAVID AND CHARIES NEW TOWN ABBOT ENGLAND (1971) P.51)

۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمانٹ نے میگنا کارٹا کی توثیق کرتے ہوئے قانونی چارہ جوئی (UE PROCESS OF LAW) کا قانون منظور کیا، جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی کاروائی کے بغیر زمین سے بے دخل یا قید نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ اسے سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

چودھویں سے سولہویں صدی تک یورپ پر میکیاولی کے نظریات کا غلبہ رہا، جس نے آمریت کو استحکام بخشا، اور بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کئے اور حصولِ اقتدار کو حاصلِ زندگی بنا دیا۔ سترہویں صدی میں انسان کے فطری حقوق کا نظریہ پھر پوری قوت سے ابھرا ۱۶۷۹ء میں برطانوی پارلیمانٹ نے جس بیجا کا قانون منظور کیا، جس نے عام شہریوں کو بلا جواز گرفتاری سے تحفظ فراہم کر دیا ۱۶۸۸ء میں انقلابی فوج نے برطانوی پارلیمانٹ

کے اقتدار اعلیٰ کی حدود متعین کردیں، ۱۶۸۹ء میں پارلیمانٹ نے برطانیہ کی دستوری تاریخ کی اہم ترین دستاویز، ''قانون حقوق'' (BILL OF RIGHTS) منظور کی، بقول لارڈ ایکٹن (LORD ACTON) یہ انگریز قوم کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ اس بل کو برطانیہ میں تحریک آزادی کی تکمیل قرار دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ بنیادی حقوق کا واضح تعین کردیا گیا، ۱۶۹۰ء میں جان لاک (JOHN LOCKE) نے انقلاب ۸۹-۱۶۸۸ء کے جواز میں اپنی کتاب " TIEATIES ON CINT GOVERMMENT " تصنیف کی، جس میں معاہدہ عمرانی کا نظریہ پیش کیا اور فرد کے حقوق پر بڑی مدلل بحث کی، ۱۷۶۲ء میں مشہور فرانسیسی مفکر روسو (REUSSEAUE) نے ''معاہدہ عمرانی '' کے زیر عنوان ایک کتاب لکھی جس میں ہابس اور لاک کے پیش کردہ معاہدہ عمرانی کا ایک نئے زاویہ سے جائزہ لیا گیا، اس نے ہابس کے مقتدر اعلیٰ اور لاک کی جمہوریت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی، اس کے نظریات نے نہ صرف انقلاب فرانس کی راہ ہموار کی، بلکہ پورے یورپ کی سیاسی فکر پر گہرے اثرات مرتب کئے، اور ریاست کے مقابلے میں فرد کے حقوق کو تسلیم کرانے میں اہم کردار ادا کیا، ۱۲؍ جون ۱۷۷۶ء کو امریکی ریاست ورجینیا، (VIRGINIA) سے جارج میسن (GAORGE, MASON) کا تحریر کردہ منشور حقوق جاری ہوا جس میں پریس کی آزادی۔ مذہب کی آزادی، اور عدالتی چارہ جوئی کے حق کی ضمانت دی گئی، ۱۲؍ جولائی ۱۷۷۶ء کو امریکہ کا اعلان آزادی جاری ہوا، اس کا مسودہ تھامس جیفرسن "THOMES JEFFERSON" کا لکھا ہوا تھا۔ اور اس کے بیشتر اصول انگریز مفکرین بالخصوص جان لاک کے نظریات پر مبنی تھے۔ اس اعلان کے ابتدائیہ میں فطری قانون (LAW OF NETURE) کے حوالے سے

کہا گیا ہے " کہ تمام انسان یکساں پیدا کیے گئے ہیں، انہیں ان کے خالق نے غیر منفک حقوق عطا کیے ہیں" جن میں تحفظ زندگی، آزادی اور تلاش مسرت کے حقوق شامل ہیں، ۱۷۸۹ء میں امریکی کانگریس نے آئین کے نفاذ سے تین سال بعد اس میں وہ دس ترمیمات منظور کیں جو قانونِ حقوق کے نام سے مشہور ہیں، اسی سال فرانس کی قومی اسمبلی نے منشور انسانی حقوق (DECLARATION OF THE RIGHTS OF MEN) منظور کیا ۱۷۹۲ء میں تھامس پین (THOMES PEINE) نے اپنا مشہور کتابچہ حقوقِ انسانی (THE RIGHTS OF MAN) شائع کیا، جس نے اہلِ مغرب کے خیالات پر گہرے اثرات مرتب کیے، اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کی جدوجہد کو مزید آگے بڑھایا، انیسویں اور بیسویں صدی میں ریاستوں کے دساتیر میں بنیادی حقوق کی شمولیت ایک عام روایت بن گئی، ۱۸۶۸ء میں امریکی دستور کی چودھویں ترمیم منظور کی گئی، جس میں کہا گیا کہ امریکہ کی کوئی بھی ریاست قانونی ضابطہ کی تعمیل کیے بغیر کسی شخص کو اس کی جان، آزادی اور املاک سے محروم نہیں کرے گی، اور نہ اسے قانون کا مساوی تحفظ فراہم کرنے سے انکار کرے گی،

پہلی جنگِ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد نئے یوروپی ممالک کے دساتیر میں بنیادی حقوق شامل کیے گئے، ۱۹۴۰ء میں مشہور ادیب ایچ جی ویلز (H.G. WELLS) نے اپنی کتاب "دنیا کا نیا نظام" (NEW WORLD ORDER) میں ایک منشور انسانی حقوق کے اجراء کی تجویز پیش کی، جنوری ۱۹۴۱ء میں صدر روز ویلٹ (ROOS WELT'S) نے کانگریس سے "چار آزادیوں" کی حمایت کرنے کی اپیل کی، اگست ۱۹۴۱ء میں منشور اوقیانوس (ATLANTIC CHARTER) پر دستخط ہوئے جس کا مقصد بقول چرچل "انسانی حقوق" کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا

خاتمہ تھا،

دوسری جنگ عظیم کے بعد تحریری دساتیر میں بنیادی حقوق کی شمولیت مزید نمایاں ہوگئی، فرانس نے اپنے ۱۹۴۶ء کے دستور میں ۱۷۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کو شامل کیا، اسی سال جاپان نے بنیادی حقوق کو دستور کا حصہ بنایا، ۱۹۴۷ء میں اٹلی نے اپنے دستور میں انسانی حقوق کی ضمانت دی۔

قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے لئے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں بالآخر ۱۰؍دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کا ''منشور انسانی حقوق'' جاری ہوا، جس میں وہ تمام حقوق سمودیئے گئے، جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں شامل تھے یا انسانی ذہن میں آسکتے تھے۔ جنرل اسمبلی میں رائے شماری کے وقت اس منشور کے حق میں ۴۸ ووٹ آئے۔ ۸ ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ جن میں روس بھی شامل تھا۔ اس منشور پر عمل درآمد کی صورت حال کا جائزہ لینے اور ان کے تحفظ یا نئے حقوق کے تعین کے لئے اپنی تجاویز پیش کرنے کے لئے ایک مستقل کمیشن برائے انسانی حقوق بھی'' قائم کر دیا گیا'' (بنیادی حقوق ص : ۲۷ تا ۲۹)

اقوامِ متحدہ کا منشور انسانی حقوق

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو انسانی حقوق سے متعلق جس عالمی منشور کا اعلان کیا تھا وہ گویا اس ضمن میں انسانی کوششوں کی معراج ہے، یہ منشور ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وقار و حقوق کے معاملے میں مساوی الحیثیت ہیں۔

(۲) ہر فرد نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی و سماجی حیثیت، املاک، پیدائش یا کسی اور حیثیت یا اور کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر اس منشور میں صراحت کردہ تمام حقوق اور آزادیوں کا مستحق ہوگا۔

(۳) ہر فرد کو زندہ رہنے، آزاد رہنے، اور اپنی جان کی حفاظت کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۴) کسی بھی شخص کو نہ غلام بنایا جائے گا اور نہ محکوم رکھا جائے گا۔ غلام اور غلاموں کی تجارت کی ہر شکل ممنوع ہوگی۔

(۵) کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم و ستم، غیر انسانی اور توہین آمیز سلوک یا سزا کا نشانہ نہیں بنایا جا سکے گا۔

(۶) ہر فرد کو قانون کی نظر میں بحیثیت فرد ایک تسلیم شدہ حیثیت حاصل ہوگی۔

(۷) قانون کی نگاہ میں سب کی حیثیت مساوی ہوگی ۔ اور انہیں کسی امتیاز کے بغیر یکساں قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔

(۸) ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعہ ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف بااختیار قومی ٹریبونل کے ذریعہ مؤثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہوگا۔

(۹) کسی شخص کو بلا جواز گرفتاری، نظر بندی یا جلاوطنی کی سزا نہیں دی جاسکے گی،

(۱۰) ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعیین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لئے آزاد و خود مختار اور غیر جانبدار ٹریبونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) ۱۔ کسی تعزیری جرم کی صورت میں ہر فرد کو اس وقت تک بے قصور سمجھے جانے کا حق حاصل ہوگا جب تک ایسی کھلی عدالت میں اُسے قانون کے مطابق مجرم ثابت نہ کر دیا جائے، جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

- ۲۔ کسی فرد کو کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بنا پر قابلِ تعزیر جرم کا مرتکب قرار نہیں دیا جاسکتا جو فی الواقع قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابلِ تعزیر نہ ہو۔

(۱۲) کسی فرد کی خلوت، گھریلو زندگی، خاندانی اُمور اور خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی، اور نہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے گا۔

(۱۳) ۱۔ ہر فرد کو اپنی حدودِ ریاست میں نقل و حرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

- ۲۔ ہر فرد کو بیرون ملک جانے اور اپنے ملک واپس آنے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۴) ۱۔ ہر فرد کو ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

- ۲۔ غیر سیاسی جرائم، یا اقوامِ متحدہ کے اصول و مقاصد کے منافی اعمال کے سلسلے میں مقدمات سے بچنے کے لیے یہ حق قابلِ استعمال نہیں ہوگا۔

(۱۵) ۱۔ ہر فرد کو شہریت حاصل کرنے کا حق ہوگا۔

- ۲۔ کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق سلب کیا جائے گا۔

(۱۶) ۱۔ ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت یا عقیدہ شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہوگا۔

- ۲۔ شادی زن و شوہر کی آزادانہ مرضی و منظوری سے ہوگی۔
- ۳۔ خاندان۔ معاشرہ کا بنیادی اور فطری حصہ ہے۔ جو ریاست اور معاشرہ کی طرف سے مکمل تحفظ کا مستحق ہے۔

(۱۷) ۱۔ ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائداد رکھنے کا حق ہوگا۔

- ۲۔ کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(۱۸) ہر فرد کو فکر و خیال، ضمیر اور عقیدے کی آزادی حاصل ہوگی، اور اس حق میں تبدیلی عقیدہ، اظہارِ عقیدہ، تبلیغ عقیدہ اور عبادت کا حق بھی شامل ہے،

(۱۹) ہر فرد کو اظہارِ خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر کوئی بھی رائے رکھنے، کسی بھی ذریعہ سے اور سرحدوں کا لحاظ کئے بغیر خیالات و معلومات حاصل کرنے اور پہونچانے کا حق بھی شامل ہے۔

(۲۰) ۱۔ ہر فرد کو پُر امن اجتماع و تنظیم کا حق حاصل ہے۔

- ۲۔ کسی کو کسی خاص تنظیم سے وابستہ ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۱) ۱۔ ہر فرد کو اپنے ملک کی حکومت میں براہِ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ شرکت کا حق ہے۔

- ۲۔ ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا مساوی حق حاصل ہے،
- ۳۔ حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و مرضی ہوگی، جس کا اظہار انتخابات کے ذریعہ آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے وہی کی صورت میں ہوگا۔

(۲۲) ہر فرد کو اپنی باوقار زندگی اور تعمیر شخصیت کے لئے سماجی تحفظ کا حق ہوگا اور وہ قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا مستحق ہوگا۔

(۲۳) ۱۔ ہر فرد کو کام کرنے، اپنی پسند کا پیشہ منتخب کرنے، بہتر اور منصفانہ شرائط کار حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفظ پانے کا حق ہوگا،

- ۲۔ ہر فرد کو بلا امتیاز یکساں کام کی یکساں اجرت ملے گی۔
- ۳۔ ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کر سکے۔ اور ضروری ہو تو اس کے سماجی تحفظ کے لئے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کئے جائیں،
- ۴۔ ہر فرد کو اپنے مفادات کے لئے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شامل ہونے کا حق حاصل ہوگا۔

(۲۴) ہر فرد کو راحت و آرام، تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق ہوگا۔

(۲۵) ا۔ ہر فرد کو اپنی اور اپنے اہلِ خاندان کی صحت وخوشحالی کے لئے معقول معیارِ زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد، ضروری سروس، بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور اس نوعیت کے دوسرے حالات میں تحفظ حاصل ہوگا۔

(۲۶) ا۔ ہر فرد کو حصولِ تعلیم کا حق حاصل ہے۔

- ۲۔ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔
- ۳۔ والدین کو اپنے بچوں کے لئے نوعیت تعلیم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔

(۲۷) ا۔ ہر فرد کو معاشرہ کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے۔ علوم وفنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

- ۲۔ ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی، یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی ثمرات کے تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔

(۲۸) ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے۔ جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرہ ور ہونے کی ضمانت ہو۔

(۲۹) ا۔ ہر فرد پر اس معاشرے کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشوونما ممکن ہے۔

- ۲۔ اپنے حقوق اور آزادیوں کے سلسلے میں ہر شخص صرف قانون کی عائد کردہ ان پابندیوں کے دائرہ میں رہے گا جن کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا ہے،

• ۳۔ان حقوق اور آزادیوں کو اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

(۳۰) اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جاسکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروپ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلانا ہو جس کے ذریعہ وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں ہی کا صفایا کردے"

اس منشور میں جن حقوق اور آزادیوں کا اعلان کیا گیا ہے انہیں بعد میں دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ایک فہرست میں معاشی، سماجی، اور ثقافتی حقوق کو یکجا کردیا گیا، اور دوسری فہرست میں شہری اور ریاستی حقوق کو، جنرل اسمبلی نے ۱۹۶۶ء میں ان دونوں عہد ناموں کو منظوری دی اور رکن ریاستوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ جو ملک رضا کارانہ طور پر ان حقوق کو تسلیم کرتا ہو وہ ان عہد ناموں پر دستخط کردے۔

اقوامِ متحدہ کے "کمیشن برائے انسانی حقوق" نے اس سلسلے میں مزید کچھ کام کیا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں اس نے بچوں کے حقوق سے متعلق اور ۱۹۶۳ء میں نسلی امتیاز کے انسداد کے لئے ایک اعلان جاری کیا، جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۸ء میں نسل کشی کی روک تھام کے لئے ۱۹۵۱ء میں مہاجرین اور جلاوطن لوگوں کے تحفظ کے لئے۔ ۱۹۵۲ء میں خواتین کے سیاسی حقوق کے لئے ۱۹۵۷ء میں شادی شدہ عورتوں کی قومیتوں کے تعین کے لئے ۱۹۵۱ء میں غلامی کے مکمل انسداد اور خاتمہ کے لئے ۱۹۶۵ء میں جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کی مذمت کے لئے مختلف عہد نامے اور قراردادیں منظور کیں۔

اقوامِ متحدہ کے خصوصی اداروں مثلاً بین الاقوامی ادارہ محنت (I.L.O) یونیسکو، بین الاقوامی ادارہ مہاجرین (I.R.O.) اور ہائی کمشنر برائے مہاجرین نے بھی اپنے اپنے دائرہ عمل میں انسانی حقوق کے تعین و تحفظ کے لئے قابلِ ذکر کام کئے ہیں۔ (بنیادی حقوق ص: ۸۶)

عالمی منشور تشنہ و نامکمل

یہ ہے دنیا کا وہ جدید ترین منشور جو دنیا کی تمام قوموں نے مختلف علاقائی، قومی الہامی، غیر الہامی قوانین و دساتیر کو سامنے رکھ کر مرتب کیا۔ جس کو آخری شکل پائے ہوئے پچاس سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے، مگر یہ عالمی منشور معنویت، نفاذ اور دائرہ عمل کے لحاظ سے آج تک تشنہ ہے۔ جس کا احساس خود مغربی مفکرین کو بھی ہے۔

۱۹۷۰ء میں رابرٹ ڈیوی اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''تقریباً دو سو سال قبل انقلابی ہنگامہ آرائیوں کے موقعہ پر جو آج کی ہنگامہ آرائیوں سے مختلف نہ تھیں۔ تھامس پین نے اپنے ہم عصر لوگوں کے دیدۂ کور کو ایک تلخ حقیقت سے آشنا کیا، اس نے کہا تھا:

''آزادی دنیا کے گرد بھاگتی پھر رہی ہے، اس مفرور کو پکڑو، اور انسانیت کے لئے ہر وقت ایک پناہ گاہ تیار کرو، آج ہزاروں چکنی چپڑی باتوں، ہزاروں اعلانات اور منشوروں کے بعد بھی آزادی ہنوز عنقا ہے، امریکہ ہو یا روس، پرتگال ہو یا انگولا، انگلستان ہو یا رہوڈیشیا۔ بوسٹن ہو یا مس سپی اس کا کہیں نام و نشان نہیں۔ (بنیادی حقوق ص: ۹)

ہنیز کیلسن کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو

''خالص قانونی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ دینے کی پابندی عائد نہیں کرتیں، منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں ہے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے

شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے قانونی طور پر پابند ہیں۔

(دی لاء آف یونائیٹڈ نیشن لندن، صفحہ ۱۵ (۱۹۵۰ء)

عالمی منشور نے ایک فرد کو بحیثیت فرد کیا دیا ہے اس کے بارے میں کارل منہائم کہتے ہیں:

منشور نے کسی فرد کو یہ قانونی حق نہیں دیا کہ وہ منشور میں دیئے گئے حقوق اور آزادیوں میں سے کسی ایک کے سلب ہو جانے کی صورت میں بین الاقوامی عدالت، یا اقوام متحدہ کے سب سے بڑے ادارہ انصاف، ''بین الاقوامی عدالت انصاف'' سے اپیل کر سکے۔ اس عدالت کے قانون کی دفعہ ۳۴ میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ عدالت کے سامنے صرف ریاستیں ہی فریق کے طور پر پیش ہو سکتی ہیں۔ (ڈیا گونوسس آف آور ٹائم۔ لندن صفحہ ۱۵ ۱۹۴۳ء)

منشور میں دیئے گئے معاشی اور سماجی حقوق پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رفائل لکھتے ہیں:

''یہ نام نہاد معاشی اور سماجی حقوق کوئی بین الاقوامی فرض عائد نہیں کرتے، یہ ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق کچھ چیزیں دینے سے ہے، مثلاً معقول آمدنی، اسکول اور سماجی خدمات وغیرہ لیکن کس سے کہا گیا کہ وہ یہ چیزیں مہیا کرے؟ یہ فرض آخر کس سے متعلق ہے؟ اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق کے مصنفین جب یہ کہتے ہیں کہ ہر فرد کو سماجی تحفظ کا حق حاصل ہوگا، تو کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کو ایک عالمگیر نظام تحفظ کو کچھ عطیہ دینا چاہئے جس سے ضرورت پڑنے پر وہ فائدہ اٹھا سکے گا، اگر واقعی ان کی مراد یہی ہے تو ان عہد ناموں کے مسودے میں جن کا مقصد منشور کا نفاذ ہے، اس قسم کے نظام کی تشکیل کے لئے کوئی دفعہ کیوں

نہیں ہے؟ اور اگر ایسا نظام وجود نہیں رکھتا تو پھر کیسا فرض؟ اور کہاں کا حق؟
لوگوں پر ایسا فرض عائد کرنا جس کی ادائیگی کا امکان ہی نہ ہو سراسر حماقت ہے تاہم
یہ اتنی ظالمانہ نہیں جتنی یہ حماقت کہ لوگوں کو ایسے حقوق عطا کر دیے جائیں جن
سے وہ کوئی استفادہ ہی نہ کر سکیں۔

(پولیٹیکل تھیوری اینڈ دی رائٹس آف مین صفحہ ۹۶ ۱۹۶۷ء)

اے۔ کے بروہی فرماتے ہیں:

" معاشی اور سماجی حقوق کے عہد نامہ میں دیئے گئے حقوق درحقیقت اس
اصطلاح کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی نہیں ہیں۔ یہ تو سماجی اور معاشی
پالیسیوں کے محض اصول ہیں اور اسی سے اتفاقاً یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کمیشن
کو ایک کے بجائے دو علیحدہ عہد نامے کیوں مرتب کرنے پڑے۔

(یونائیٹڈ نیشنس اینڈ دی ہومن رائٹس صفحہ ۴۴ ۱۹۶۸ء)

ان تبصروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر انسان کی اجتماعی
کوششیں بھی اس کے لئے پُروقار اور آبرومندانہ زندگی کو ضمانت مہیا نہیں کر سکیں، اور
بقول ایک مبصر

" منشور انسانی حقوق کی حیثیت ایک خوشنما دستاویز سے زیادہ کچھ نہیں، اس
میں حقوق کی ایک فہرست تو مرتب کر دی گئی لیکن ان میں سے کوئی ایک حق بھی
اپنے پیچھے قوت نافذہ نہیں رکھتا (بنیادی حقوق: ص، ۸۹)

اسلامی منشور ہر لحاظ سے مکمل

اس کے بالمقابل اسلام کا منشور انسانی حقوق ایک مکمل اور کامیاب منشور ہے جس

کی پشت پر سب سے بڑی ہستی کی قوت نافذہ موجود ہے جو خلوت وجلوت ہر مرحلے میں انسان کی نگرانی کرتی ہے اور منشور کی ایک ایک دفعہ کو نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسلام نے انسانوں کو جو فطری حقوق دیئے ہیں وہ ہر لحاظ سے حاوی اور بامعنی ہیں اس میں انسانی نفسیات، رجحانات، ضروریات اور تقاضوں کی مکمل رعایت موجود ہے، اس کی کسی دفعہ پر جانبداری یا معیار اعتدال سے گرے ہونے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا اسلام نے بحیثیت انسان پوری انسانی برادری کے ساتھ یکساں معاملہ کیا ہے، البتہ ایمان وکفر کے معاملے میں اس کے یہاں کچھ ترجیحات ہیں، جو بالکل فطری اور معقول ہیں، اس لئے کہ دنیا کی ہر عدالت یہ انصاف دے گی کہ دستور اور اتھارٹی پاور سے وفاداری کرنے والے اور اس کو نہ ماننے والے ایک سطح پر نہیں رکھے جاسکتے۔ جس کے نظائر ملکوں اور قوموں کے ہر دستور میں ملتے ہیں، اسی بنیاد پر اسلام نے مسلمانوں کو کچھ ایسے خاص حقوق دیئے ہیں جو دستور کے وفادار اور نیابتی طور پر اس کو نافذ کرنے والے کی حیثیت سے ان کو ملنا چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود کسی دفعہ میں ذمیوں کے ساتھ بے انصافی نہیں برتی گئی، اور نہ ان کو کسی بنیادی حق سے محروم کیا گیا۔ جو اس دستور کو تسلیم تو نہیں کرتے لیکن اسلامی سلطنت میں پُرامن طور پر رہنا چاہتے ہیں اس کا اندازہ پیغمبر اسلام کے اس فرمان سے ہوتا ہے جس سے بہتر کسی قوم کے مخصوص حقوق کی ضمانت ممکن نہیں۔ اور شاید حضور ﷺ نے اتنی قوت کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے لئے بھی کوئی فرمان صادر نہ فرمایا ہوگا۔

اَلَا مَن ظَلَمَ معاهدًا او اِنتَقَصَهٗ اَو كَلَّفَهٗ فوق طاقته اَو اَخَذَ مِنهُ شَيْئًا بِغَيرِ طيب نفسٍ فَاَنَا حجيجه يَومَ القِيٰمَةِ (مشكوة على المرقاة ۸/۸۹)

خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی

طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا۔ یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا

اسلامی آئین مملکت کی کسی بھی اقلیت کو محروم کرنے کا قائل نہیں ہے، اس نے اپنی غیر مسلم اقلیتوں کو جو انسانی حقوق دیئے ہیں اور ان حقوق کے تحفظات کے لئے ملتِ اسلامیہ کی جو شاندار تاریخ رہی ہے اس کی کوئی نظیر کسی لحاظ سے نہ ماضی میں پیش کی جا سکتی ہے اور نہ آج کے ترقی یافتہ ملکوں کے قوانین میں۔

اس کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور مستشرق منٹگمری واٹ لکھتا ہے

''غیر مسلم اقلیتوں سے سلوک کے معاملے میں اسلامی ریاستیں بحیثیت مجموعی بہترین ریکارڈ رکھتی ہیں۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک مسلمانوں کے لئے ایک اعزاز کی بات تھی، خلفاءِ راشدین کے زمانے میں ذمیوں کے تحفظ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی'' ہر غیر مسلم اقلیت بیت المال کو مال یا نقدی کی صورت میں معاہدہ کے مطابق سالانہ جزیہ ادا کرتی۔ اسے تقریباً اتنا ہی فی کس محصول بھی ادا کرنا پڑتا۔ اس کے بدلے اسے بیرونی دشمنوں سے تحفظ ملتا اور وہ ان داخلی جرائم سے بھی تحفظ کی مستحق بن جاتی جو خود مسلمانوں کو حاصل ہوتا تھا۔

.... ہر اقلیت اپنے داخلی معاملات میں بالکل خود مختار تھی، ....

رسول ﷺ کے زمانے میں جتنے معاہدات ہوئے۔ ان سب میں واضح طور پر اس امر کی ضمانت دی گئی کہ ہر ذمی اقلیت کو اپنے مذہبی معاملات میں مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ اور یہ آزادی بعد کے زمانوں میں بھی برقرار رہی۔

(دی مجسٹی ویٹ واز اسلام سِڈوِک اینڈ جیکسن لندن ۱۹۷۶ء ۲۷ بحوالہ بنیادی حقوق : ص ۱۷۹)

اسلامی آئین کی حقوقِ انسانی سے متعلق دفعات انسانی رشتے سے اکثریت پر بھی

عائد ہوتی ہیں اور اقلیت پر بھی، البتہ حکومت اسلامی ان حقوق کے نفاذ اور تحفظ کی بھی قانونی طور پر پابند ہے۔ اور غیر اسلامی حکومت محض اخلاقی طور پر اس کی پابند ہے اس لئے کہ غیر اسلامی حکومت میں ان حقوق کو قانونی تحفظ فراہم ہونا بظاہر مشکل ہے۔

ہم ذیل میں اسلام کے انسانی حقوق سے متعلق دفعات پر نظر ڈالتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ اسلام نے انسانوں کو بحیثیت انسان جو حقوق اور تحفظات دیئے ہیں ان میں اقلیت و اکثریت یا سیاسی غالبیت و مغلوبیت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ انسانیت کے ناطے ہر ایک کے لئے مساوی ہیں۔ اور جس منزل پر کسی حد تک مغربی قومیں آج طویل تاریخی سفر کے بعد پہونچی ہیں اسلام نے چودہ سو سال پیشتر ہی اس سے بہتر اور مضبوط انداز میں اس کی نشاندہی کر دی تھی۔ عالمی منشور کی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں بتائی جا سکتی جو اسلام کے منشور حقوق میں موجود نہ ہو جبکہ اسلامی منشور میں متعدد ایسی دفعات آپ کو مل جائیں گی جن کا کوئی ذکر عالمی منشور میں نہیں ہے۔

اس کا مطلب ہے انسانی منشور ابھی اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود ادھوری منزل میں ہے۔ جبکہ اسلامی منشور پہلے دن ہی سے مکمل ہے۔ اور رہتی دنیا تک اس کی معنویت و جامعیت یکساں طور پر محسوس کی جاتی رہے گی۔ (انشاء اللہ)

حق مساوات

بحیثیت انسان، انسانوں میں مساوات کا تصور سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان پھیلی ہوئی مختلف نسلی، لسانی، لونی اور دیگر سماجی تفریقات کو مٹا کر پوری انسانی برادری کو ایک لڑی میں پرو دیا، اسلام قبیلہ و برادری کو محض تعارف و پہچان کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس کو کسی تفاخر و تفاضل کا سبب نہیں مانتا، اسلام کے نزدیک

فضیلت کا معیار بس تقویٰ اور ذاتی نجابت و شرافت ہے قرآن میں ارشاد ہے ۔

یَـآ اَیُّھَـا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰـکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْـثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَـآئِلَ لِتَعَـارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات : ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ۔

یہی بات پیغمبر اعظم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمائی تھی،

لا فضل لعربی علیٰ عجمی ، ولا لعجمی علی عربی ، ولا لابیض علیٰ اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ ۔ کلکم بنو آدم و آدم من تراب ، (متفق علیہ)

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر ۔ نہ کسی گورے کو کالے پر، اور نہ کالے کو گورے پر ماسوئ تقویٰ کے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔

اور یہ محض کوئی نظریہ نہیں بلکہ اسلامی تاریخ میں بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں، جن میں غریب و امیر غلام اور آقا ۔ حاکم و شہری ۔ اور مسلم و غیر مسلم کے درمیان انصاف کے معاملے میں اصول مساوات پر سختی سے عمل کیا گیا ۔ بلکہ حقوق و معاملات میں حضور ﷺ نے خود اپنی ذات کو بھی دوسروں کے برابر رکھا۔ فاطمہ نامی عورت کا قصہ مشہور ہے جو چوری کے جرم میں ماخوذ ہو کر دربارِ رسالت میں پیش ہوئی تھی ۔ حضرت اسامہؓ نے ان کے خاندانی پس منظر کی بنا پر ان کی سفارش کی ۔ تو حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے، اور حضرت بلالؓ کے ذریعہ مسلمانوں کو مسجد میں جمع فرما کر ان سے تادیبی خطاب فرمایا۔

انما هلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوهُ واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لو ان فاطمة بنت محمدؐ سرقت لقطعت يدها ۔متفق عليه (مشكوة على المرقاة ۱۷۰/۷)

تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں وہ اس لئے تباہ ہوئی ہیں کہ وہ کم درجہ کے لوگوں کو تو قانون کے مطابق سزا دیتی تھیں اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیتی تھیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

عہدِ فاروقی میں جبلہ بن ایہم غسانیؓ نے جب ایک بدوی کے تھپڑ مارنے پر قصاص سے بچنے کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ۔

امیر المومنین یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے اور میں بادشاہ ہوں ۔تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اسلام نے آپ دونوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ آپ صرف تقویٰ اور طہارت سے اس پر فضیلت حاصل کرسکتے ہیں اور کسی صورت سے نہیں۔

(سیرت عمر بن الخطاب :۲۵۴ طنطاوی)

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرو بن العاصؓ ان کے بیٹے عبد اللہ۔ والی حمص عبد اللہ بن قرطؓ ۔اور والی بحرین قدامہ بن مظعونؓ کے خلاف سزا کے احکامات اور خود اپنے بیٹے عبد الرحمٰن بن عمرؓ پر حد جاری کر کے قانون کی نظر میں مساوات کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی نظیر تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ (الفاروق علامہ شبلی ۶۸/۲)

ان اسلامی تعلیمات اور اکابر اسلام کے عملی نمونوں ہی کی رو سے اسلامی ریاست کی حدود میں بسنے والے تمام انسان قانون کی نظر میں مساوی الحیثیت ہونگے۔ معاشرتی زندگی میں بھی ان کے درمیان تقویٰ کے سوا اور کوئی معیار فضیلت نہیں ہوگا۔ مذہب نسل،

ذات یا مقام پیدائش کی بنا پر کسی کو کسی پر امتیاز حاصل نہ ہوگا۔ اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور میں بھی اس بنیادی حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ دفعہ/۱،۲، اور ۷۔ میں اس کا ذکر ہے۔

دفعہ/(۱)۔ تمام انسان آزادانہ حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ اس لئے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہئے۔

دفعہ/(۲)، ۱۔ ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں، اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

۲۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا جس ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہو اس کی سیاسی کیفیت، دائرۂ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔

دفعہ/(۷)۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر حقدار ہیں، اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لئے ترغیب دی جائے اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حقدار ہیں۔

مگر اس میں نقص یہ ہے کہ پورے منشور میں مساوات کے ساتھ کوئی ترجیحی بنیاد ذکر نہیں کی گئی ہے۔ جبکہ فطری طور پر ہر سماج میں کوئی نہ کوئی ترجیحی بنیاد ضرور رہتی ہے۔ جبکہ اسلام کے انسانی منشور میں اصولِ مساوات کے ساتھ احتیاطی طور پر تقویٰ کی ترجیحی بنیاد بھی موجود ہے۔

تحفظ جان کا حق

اسلامی آئین انسانی جان کو انتہائی قابل احترام قرار دیتا ہے اور چند استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر کسی صورت میں انسانی خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ" (بنی اسرائیل:۳۳)

قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ

اسلام نے ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل قرار دیکر تحفظِ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا ہے اس کی نظیر دنیا کے مذہبی، اخلاقی، یا قانونی لٹریچر میں نہیں ملتی، قرآن میں ارشاد ہے،

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (المائدہ۔ ۳۲)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسان کو قتل کردیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی

کسی بڑی سے بڑی مجبوری کے تحت بھی انسانی جان لینے کی اجازت نہیں، یہاں تک کہ اپنی اولاد جس پر انسان کو بہت سا حق حاصل ہے، فقروفاقہ کے خوف یا اور کسی مصلحت کی بنیاد پر ان کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں بلکہ سختی کے ساتھ اس سے روکا گیا ہے،

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاھُمْ (انعام۔ ۱۵۱)

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں، اور ان کو بھی دیں گے۔

عہدِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیے جانے کا رواج تھا۔ اس پر آخرت میں سخت باز پُرس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتہائی غضبناک لہجہ میں فرمایا گیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (التکویر ۸-۹)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟

بلکہ اسلام میں خود اپنی جان لینے کی بھی اجازت نہیں،

وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ (النساء ۲۹) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

اس باب میں اقلیت و اکثریت اور مذہب وملت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ جس نے کسی ذمی کو قتل کیا۔ اللہ تعالی اس پر جنت حرام کردیں گے (نسائی)

ایک دوسری روایت میں ہے،

جس نے کسی معاہد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ (بخاری)

ایک خاص بات یہ ہے کہ دنیا کے عام قوانین تحفظِ جان کے حق کا اطلاق بعد از ولادت پر کرتے ہیں۔ جبکہ اسلامی قانون میں اس کا اطلاق استقرارِ حمل سے ہوتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے غامدیہ نامی عورت کو صریح اقرارِ زنا کے باوجود رجم کی سزا نہیں دی کیوں کہ اس نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ میں حاملہ ہوں۔ اسے بچے کی ولادت اور رضاعت کی مدت پوری ہونے کے بعد سزا دی گئی۔ (مشکوٰۃ علی المرقات: ۷/۲۲۳)

سزا فوری طور پر نافذ کردی جاتی تو شکمِ مادر میں پلنے والے بچے کے خونِ ناحق کا اندیشہ تھا اس سے ایک دفعہ یہ بھی نکلتی ہے کہ اسلامی آئین کے مطابق غیر ثابت النسب بچے کی جان بھی قابلِ تحفظ ہے، فقہا نے تحفظِ جان کے حق کو استقرارِ حمل (۱۲۰) دن کے بعد سے قابلِ اطلاق قرار دیا ہے کیوں کہ اس عرصے میں جنین گوشت کے لوتھڑے سے

تبدیل ہو کر انسانی شکل وصورت میں ڈھلنے لگتا ہے اور اس پر انسان ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے فقہاء کی اس رائے کو اب صدیوں بعد جدید میڈیکل سائنس نے بھی تسلیم کرلیا ہے امریکی سپریم کورٹ نے روبنام ویڈ (   ) کے مشہور مقدمے میں جدید طبی تحقیقات کے حوالے سے فیصلہ دیا ہے کہ رحم مادر میں انسانی وجود کو حمل کے تین ماہ بعد قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔

(یونائیڈ اسٹیٹس سپریم کورٹ رپورٹس متعلقہ اکتوبر ۱۹۷۲ء مطبوعہ لائرز کوآپریٹو کمپنی نیویارک : ۱۹۷۴ص : ۱۴۷)

اقوام متحدہ کے عالمی منشور میں بھی تحفظ جان کی دفعات شامل کی گئی ہیں۔مگر ان میں اس سلسلے کے ضروری پہلوؤں کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ دفعہ ۳، ۲۵ ش ۲ اس سے متعلق ہیں۔

دفعہ ۳ : ہر شخص کو اپنی جان۔آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ ۲۵ شق (۲) : زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حقدار ہیں، تمام بچے خواہ وہ شادی کے رشتے کے اندر یا باہر پیدا ہوئے ہوں۔معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہونگے۔

نجی املاک کے تحفظ کا حق

اسلام جائز ذرائع سے حاصل شدہ نجی املاک (جن سے تمام شرعی حقوق و واجبات۔اور ملکی جائز مطالبات ادا کئے جاچکے ہوں) کو تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، اور انہیں کسی فرد یا حکومت کی مداخلت سے قطعی محفوظ قرار دیتا ہے۔ان املاک میں مالک کو درج

ذیل حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۔استعمال اور تصرف کا حق۔ ۲۔جائز کاروبار میں لگانے کا حق۔

۳۔انتقال ملکیت کا حق ۴۔ملکیت کی حفاظت کا حق۔

قرآن نے دوسروں کے اموال میں ناجائز تصرفات اور مداخلت کو قطعی ممنوع قرار دیا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (البقرۃ۔۱۸۸)

اور تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ۔

حکومت کو اگر اجتماعی مفاد کے تحت کسی کی ذاتی ملکیت پر قبضہ کی ضرورت پڑے تو وہ مالک کی مرضی سے مناسب معاوضہ ادا کر کے حاصل کرے گی،

حضورﷺ نے مدینہ میں مسجد نبوی کے لئے جو زمین منتخب کی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی انہوں نے اپنی افتادہ زمین بلا قیمت دینے کی پیش کش کی مگر حضورﷺ نے اس کی قیمت کا تخمینہ لگوایا اور اس وقت کی عام شرح کے مطابق معاوضہ دیکر یہ زمین حاصل کی (سیرۃ المصطفیٰ)

جنگ صفین کے موقعہ پر آپ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں حاصل کیں۔ اور جب اس نے کہا اغصبا یا محمد۔! کیا بلا معاوضہ لینے کا ارادہ ہے۔ آپﷺ نے فرمایا نہیں بل عاریۃ معوضۃ یہ مستعار ہیں، اور جو ان میں سے ضائع ہوں گی ان کا معاوضہ دیا جائے گا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/)

قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

"امام کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکال لے" (کتاب الخراج / ۳۶۷)

تحفظ ملکیت کے حق کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا۔

من قتل دون ماله فهو شهيد ـ (مشكوة على المرقات : ۷ / ۹۹)

جو شخص اپنے مال کو بچانے میں مارا جائے گا وہ شہید ہے۔

عالمی منشور کی دفعہ ۱۷/ میں یہ حق دیا گیا ہے۔

دفعہ ۱۷۔ا۔ ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے ملکر جائداد رکھنے کا حق ہے ۔

۲۔ کسی شخص کو زبردستی اس کی جائداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

عزت وآبرو کے تحفظ کا حق

ریاست کے ہر فرد کو بحیثیت رکن ریاست اپنی عزت وآبرو کے تحفظ کا حق ہوگا، کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دوسرے کی ہتک عزت کرے۔ یا اس کی حیثیت عرفی کو پامال کرے۔ اسلامی آئین کے مطابق یہ بدترین جرم ہے۔ اس لئے خطبہ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان ومال کے ساتھ ہی حرمتِ آبرو کا بھی حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات ـ ۱۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مرد کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی بے عزتی کو بدترین زیادتی قرار دیا ہے،

بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ نے والیٔ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے محمد بن عمرؓ کو اس جرم میں ایک مصری سے پٹوایا کہ اس نے گھوڑ دوڑ میں اس کا گھوڑا آگے آنے پر مصری کو پیٹا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا، کہ، لے کوڑے، میں شریفوں کا بیٹا ہوں، حضرت عمرؓ نے باپ بیٹے کو مدینہ طلب کیا اور مصری کے ہاتھ میں درہ دیکر کہا کہ، مار شریفوں کے بیٹے کو، اور پھر اس کی مرمت ہو جانے کے بعد فرمایا ''عمرو بن العاصؓ کی چندیا پر بھی گھما''، کیوں کہ خدا کی قسم اس نے اس کی سلطنت ہی کے بل بوتے پر تجھے مارا ہے،

(سیرت عمر بن الخطاب طنطاوی ۱۸۷/)

حضرت عمرؓ کے عہد میں بعض واقعات ایسے پیش آئے جن میں ہتک کی تاب نہ لا کر متعلقہ اشخاص قتل کا اقدام کر بیٹھے۔ جب حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے قِصاص کو ساقط فرمادیا، مثلاً

بنی ہذیل کے کسی شخص نے اپنے میزبان کی لڑکی پر دست درازی کی، اس نے پتھر کھینچ کر مارا۔ جس سے اس کا جگر پھٹ گیا۔ آپ نے فیصلہ دیا، یہ قتل الٰہی ہے اس کی دیت نہیں ہو سکتی، (سیرت عمر بن الخطاب ۲۴۲/)

دو نوجوان ایک دوسرے کے بھائی بنے، ایک جہاد پر چلا گیا، اور دوسرے کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال پر مامور کر دیا، اس نے ایک رات کسی یہودی کو اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا تو اسے قتل کر کے عُریاں لاش راستے پر ڈال دی، صبح یہودیوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ تو انہوں نے نوجوان کا بیان سُن کر کہا، اللہ تیرے ہاتھ سلامت رکھے، اور یہودی کے خون کو رائیگاں قرار دیا

(سیرت عمر بن الخطاب ۲۳۷)

اسلام کے حدِ قذف کی بنیاد بھی یہی ہے کہ ایک شخص جو کہ الزام کے ذریعہ کسی کی ہتک عزت کرتا ہے دنیاوی سزا کے طور پر اس پر حدِ قذف لگائی جاتی ہے۔ آخرت کا عذاب تو اور بھی زیادہ سخت ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝ (النور ۲۳ تا ۲۵)

جو لوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، اس دن اللہ انہیں بھرپور بدلہ دے گا جس کے وہ مستحق ہوئے ہیں، اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے، سچ کو سچ کر دکھانے والا۔

اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ/۱۲ اسی حق سے متعلق ہے،

دفعہ/۱۲۔ کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھربار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائیگی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے، ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

نجی زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام نے انسانی برادری کے ہر فرد کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے ہر شخص کی شخصیت کو آئینی احترام بخشا ہے، اور اسی لئے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے

بعض گوشے اپنے ہی لئے مخصوص رکھے۔اور کوئی اس میں مداخلت نہ کرے۔اسلام کسی کے ذاتی معاملات اور نجی زندگی میں غیر آئینی مداخلت کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے،

قرآن میں دوسروں کے مخصوص گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے،

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۔(النور ۔۲۷۔۲۸)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو، اور ان کو سلام نہ کر لو، یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے، پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔

اس سے وہ مکانات مستثنٰی ہیں جو غیر آباد یا ہر ایک کے لئے عام ہیں،

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ" لَّكُمْ(النور۔۲۹)

تمہارے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو

اسی طرح گھروں میں تاک جھانک کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے،

لو اطلع فی بیتك احد ولم تأذن له فخذ فته بحصاة ففقأت عینه ماکان علیك من جناح ۔ متفق علیه (مشکواۃ علی المرقات ۷ ر ۹۱)

اگر کوئی شخص کسی کو گھر میں جھانکتے دیکھے اور پتھر پھینک کر اس کی آنکھیں پھوڑ دے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

دوسرے کا خط پڑھنا یا پڑھتے وقت اسے کنکھیوں سے دیکھنا بھی ممنوع ہے۔

اور اسی اصول کے پیش نظر اسلام میں غیبت، تجسس، ایک دوسرے کے راز کھلوانے اور نجی معاملات کی ٹوہ لینے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ۔ (الحجرات ۔ ۱۲)

اور تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کریگا؟ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔

اسلام میں نہ صرف دوسروں کی عیب جوئی ممنوع ہے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ کسی کے عیب کا علم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو، ایک حدیث میں ارشاد ہے،

من رأی عورۃ فسترها کأن کمن احیی مؤودۃ (مشکواۃ علی المرقاۃ ۲۳۵) جس شخص نے کسی کے عیب کو دیکھا اور اس کی پردہ پوشی کی اس نے گویا ایک زندہ درگور انسان کو زندہ کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے،

جو شخص اپنے مؤمن بھائی کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ

پوشی کرے گا۔

اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی شہری کی نجی زندگی میں امیر کی مداخلت کی حد کیا ہے؟

" کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ رات میں گشت پر تھے ایک گھر سے ایک شخص کے گانے کی آواز سنائی دی آپ کو شک گذرا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی، آپ نے پکار کر کہا اے دشمن خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا۔ امیر المومنین جلدی نہ کیجئے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا۔ اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت کے بغیر نہ جاؤ۔ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے، اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔" یہ سنکر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی۔ البتہ اس سے وعدہ لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔ (بنیادی حقوق۔ محمد صلاح الدین ص ۲۵۱ بحوالہ احکام الاخلاق)

اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ ۱۲/۔ اسی سے متعلق ہے۔

دفعہ ۱۲/۔ کسی فرد کی خلوت، گھریلو زندگی۔ خاندانی اُمور اور خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے گا۔

شخصی آزادی کا تحفظ

اسلامی آئین ہر شخص کو شخصی آزادی کا تحفظ فراہم کرتا ہے، اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ کسی دباؤ یا لالچ میں یا محض الزام کی بنیاد پر تحقیق کیے بغیر کسی کی شخصی آزادی سلب کر لی جائے۔ ہر شخص کو اپنے اوپر عائد ہونے والے الزامات کے دفاع کا حق حاصل ہے۔ اور وہ اپنا مقدمہ کھلی عدالت میں پیش کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، موجودہ اصطلاح میں اس کو (JUDICIAL PROCESS OF LAW) کہتے ہیں۔ یعنی باضابطہ عدالتی کارروائی کے بغیر کسی کی شخصی حریت سلب نہیں کی جا سکتی، جب تک ملزم کو اپنے دفاع کا پورا موقع نہ دیا جائے کسی کارروائی پر عدل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

قرآن کا صاف حکم ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء۔۵۸)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ۔۱۵)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ ایک شخص نے خطبے کے دوران کھڑے ہو کر کہا، یا رسول اللہ! میرے پڑوسی کس جرم میں گرفتار کیے گئے ہیں۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو اس نے اٹھ کر پھر یہی سوال کیا۔ آپ نے خطبہ جاری رکھا۔ اور اس بار بھی کوئی جواب نہ دیا۔ جب اس نے تیسری بار اٹھ کر یہی سوال دہرایا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دیا جائے (ابوداؤد، کتاب القضاۃ)

آپ دو مرتبہ خاموش اس لئے رہے کہ کوتوال مسجد میں موجود تھا۔ اگر گرفتار

شدگان واقعی قصوروار ہوتے تو وہ اٹھ کر بیان کرتا لیکن اس کی خاموشی سے آپ نے اندازہ کرلیا کہ گرفتاری بلا جواز ہے۔اس لئے رہائی کا حکم صادر کردیا۔

عہدِ فاروقی میں ایک شخص عراق سے آیا اور حاضر خدمت ہو کر کہا۔ امیر المومنین! میں ایک ایسے معاملے کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر، آپ نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا! جھوٹی شہادت کا فتنہ ہمارے ملک میں پھوٹ پڑا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا، اچھا یہ چیز شروع ہوگئی۔اس نے کہا۔ہاں، آپ نے فرمایا۔تم پریشان نہ ہو خدا کی قسم اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا۔

(موطأ۔ باب الشرط الشاہد)

قاضی ابو یوسف تحریر فرماتے ہیں۔

نہ یہ بات جائز ہے اور نہ اس کے جائز ہونے کی کوئی گنجائش ہے کہ کسی شخص کو محض اس بنا پر حوالات میں ڈال دیا جائے کہ ایک شخص نے اس پر الزام لگایا ہے۔رسول اللہ ﷺ محض الزام کی بنا پر کسی کو گرفتار نہیں کرتے تھے۔اگر ایسی صورت ہو تو کرنا یہ چاہیے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا جائے۔اگر مدعی کے پاس ثبوت موجود ہو تو اس کے حق میں فیصلہ دیدیا جائے۔ورنہ مدعا علیہ سے ضمانت لیکر اس کو رہا کردیا جائے۔اگر اس کے بعد مدعی کچھ ثبوت پیش کرتا ہے تو خیر ورنہ اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (اسلامی ریاست۔امین احسن اصلاحی ص : ۲۳)

عالمی منشور کی ۹۔۱۰۔ اور ۱۱ دفعات اس سے متعلق ہیں۔

(۹) کسی شخص کو بلا جواز گرفتاری۔نظر بندی، یا جلا وطنی کی سزا نہیں دی جاسکے گی۔

(۱۰) ہر شخص اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لئے آزاد و خود مختار ہے، اور غیر جانبدار ٹربیونل میں کھلی اور منصفانہ

سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) کسی تعزیری جرم کی صورت میں ہر فرد کو اس وقت تک بے قصور سمجھے جانے کا حق حاصل ہوگا جب تک ایسی کھلی عدالت میں اسے قانون کے مطابق مجرم ثابت نہ کر دیا جائے جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

تعلیم کا حق

تعلیم ہر شخص کا مساوی حق ہے۔ اور علم حاصل کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ارشاد نبویؐ ہے،

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (مشکوٰۃ)

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے فرض ہے،

جو شخص کسی سے علم حاصل کرنا چاہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس باب میں اس کی مدد کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے،

وَاِذَا اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ (آل عمران۔ ۱۸۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد کیا کہ تم کتاب کی باتیں لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کرو گے اور اس میں سے کچھ نہ چھپاؤ گے تو ان لوگوں نے اس میثاق کو پس پشت ڈال دیا۔ اور تھوڑی قیمت پر اس کی تجارت شروع کر دی۔ ان کی یہ تجارت انتہائی بری تھی۔

نیز ارشاد نبویؐ ہے۔ من سئل عن علم فعلمه ثم کتمه الجم بلجامٍ من

نار (مشکوۃ) جس سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ جانتے ہوئے علم کو چھپائے اس کو آگ کا لگام پہنایا جائے گا۔

نیز ارشاد نبوی ہے:

لیبلغ الشاهد الغائب (مشکوۃ)

یہاں پر موجود شخص غائب تک میری بات پہنچا دے۔

ہر فرد کا حکومت یا معاشرۃ پر حق بنتا ہے کہ اس کی تعلیم و تعلم کے لئے مناسب مواقع فراہم کئے جائیں ارشاد نبویؐ ہے:

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین (مشکوۃ)

جس کے ساتھ اللہ ارادہ خیر فرماتے ہیں اس کو دین کا علم بخشتے ہیں

نیز ارشاد فرمایا:

انما انا قاسم والله عزو جل یعطی (مشکوۃ)

میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عزوجل دیتے ہیں

تعلیم و تعلم میں انسان اپنے ذوق اور صلاحیت کے لحاظ سے موضوع اور میدان کا انتخاب کرسکتا ہے، اس لئے کہ:

(کل میسر لما خلق له،) ہر انسان کے لئے اس کے مقصد تخلیق کا سامان فراہم کر دیا جاتا ہے۔

اسلام میں تعلیم و تعلم کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے، اس لئے یہاں معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، یہ اللہ کی عبادت اور قوم کی خدمت ہے، اس کا کوئی معاوضہ ممکن نہیں۔ قوم کی طرف سے ان کو جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ تعلیم کا معاوضہ نہیں بلکہ ان کی محنت کا محض نذرانہ ہے، حدیث میں ارشاد ہے،

خیرکم من تعلم القرآن و علمه (مشکوۃ)

تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے او

اقوامِ متحدہ کے منشور میں بھی اس حق کو جگہ دی گئی ۔

دفعہ ۲۶۔(۱) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی ۔

درجوں میں ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی ۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل ۔ ہ عام انتظام کیا جائے گا۔ اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لئے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(۲) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو ونما ہوگا۔ اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی ۔ اور امن کو برقرار رکھنے کے لئے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی ۔

(۳) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی،

محنت و اجرت کا حق

ریاست کے ہر شہری کو اپنی پسند کا جائز عمل کرنے جائز پیشہ اختیار کرنے اور اپنی محنت کی مناسب اجرت وصول کرنے کا حق ہے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی پر کسی عمل کی پابندی عائد کرے۔ یا کسی محنت کش سے بیگار لے۔

مزدوروں سے ان کی برداشت سے زیادہ کام لینے سے منع کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مزدوروں کو معروف کے مطابق مناسب غذا اور لباس دیا جائے اور ان پر کام کا اتنا ہی بار ڈالا جائے جتنا کہ وہ برداشت کر سکتے ہوں (موطا امام مالک)

اسلام میں نہ صرف یہ کہ محنت کی پوری اجرت دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ اس

کی ادائیگی میں عجلت کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کی جائے۔ (ابن ماجہ۔ بیہقی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔ (هود ۔ ۶)

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۔ (الملك ۱۵)

زمین کے حصوں میں چلو اور اس کی رزق سے کھاؤ۔

گویا زمین کے کسی بھی حصہ میں انسان اپنی رزق کی تلاش میں جا سکتا ہے۔ اور اپنے ذوق و صلاحیت کے مطابق عمل کا انتخاب کر سکتا ہے۔

اجرت کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا۔

ایک وہ جس نے میرا نام لیکر عہد کیا اور اس سے پھر گیا۔ اور دوسرا وہ جس نے آزاد کو بیچ کر اس کا مول کھایا۔ اور تیسرے وہ جس نے مزدور سے پوری محنت لی اور پھر اس کی اجرت ادا نہ کی۔ (بخاری)

آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ۔

مزدور کی اجرت طے کئے بغیر اس کو کام پر نہ لایا جائے (بیہقی۔ کتاب الاجارۃ)

مزدوروں کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ پوری امانت اور قوت کے ساتھ اپنا کام انجام دو،

ان خیر من استأجرت القوی الامین ۔ (القصص ۔ ۲۶)

بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے۔ جو مضبوط اور امانت دار ہو

اسی طرح اگر محنت کش اور سرمایہ دار میں اختلاف ہو جائے تو حکومت یا وارث کی

ذمہ داری ہے کہ اس میں مداخلت کر کے امتیاز سے بالاتر ہو کر معاملہ کو حل کرے۔

عالمی منشور کی دفعات ۲۳۔ اور ۲۴ میں مزدوروں کے حق سے بحث کی گئی ہے۔

دفعہ ۲۳۔ (۱) ہر شخص کو کام کاج۔ روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے ،

(۲) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لئے مساوی معاوضہ کا حق ہے۔

(۳) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے۔ جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے باعزت زندگی کا ضامن ہو۔ اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

دفعہ ۲۴۔ ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے۔ جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔"

نقل وحرکت اور سکونت کی آزادی

ہر شخص کو آزادانہ پورے ملک میں نقل و حرکت اور عام حالات میں بیرون ملک اور ملک کے کسی علاقے میں بود و باش اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ قرآن نے پورے روئے زمین کو انسانوں کی سیر گاہ قرار دیا ہے۔

سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا. الاية (الانعام ۱۱)

زمین میں سیر کرو پھر دیکھو

ایک جگہ کہا گیا۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا۔ (نساء۔ ۹۷)

کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً (النساء ۱۰۰) اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت ساری جائے پناہ، اور گذر اوقات کے لئے بڑی گنجائش پائے گا

قرآن نے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کو جرم قرار دیا ہے۔ اور اس کو بنی اسرائیل کے جرائم میں شمار کیا گیا ہے۔

و تخرجون فریقاً من دیارِھم تظاھرون علیھم بالاثم و العدوان و ان یأتوکم اسریٰ تفدوھم و ھو محرم علیکم اخراجھم (البقرۃ ۔ ۸۴)

اور تم اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو، اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لئے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالاں کہ انھیں ان کے گھروں سے نکالنا تم پر حرام تھا

جلاوطنی کی سزا مفسدوں کے سوا کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ مفسدین کے لئے قرآن نے مختلف سزاؤں میں سے ایک یہ سزا بھی شمار کی ہے،

اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (المائدۃ ۳۳) یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔

اقوام متحدہ کے منشور میں بھی اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے

دفعہ ۱۳۔(۱) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو،

(۲) ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اس طرح اسے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

مذہبی آزادی

اسلامی آئین ریاست کے ہر فرد کو فکر و عقیدہ اور مذہب کی آزادی دیتا ہے ہر شخص اپنے مذہبی معاملات و خیالات میں آزاد ہے۔ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ اور اس کا آئین ایک مکمل آئین ہے۔ اس کی تبلیغ کی جائے گی۔ اس کی صداقت پر دلیل و برہان فراہم کیا جائے گا اور اس کی توسیع واشاعت کی پوری حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ لیکن کسی کو اس کے یا کسی مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے لئے نہ کوئی جنگی اسلحہ استعمال کیا جائے گا اور نہ کوئی سماجی دباؤ۔ قرآن کا فیصلہ ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔(البقرہ۔۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، حق باطل سے ممتاز ہو چکا ہے

حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔(یونس . ۹۹)

اگر تیرے رب کی مشیت ہوتی کہ زمین کے سارے لوگ ایمان لے آئیں تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔

ایک جگہ کہا گیا

اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۔(الغاشیة ۲۱/۲۰)

اے پیغمبر آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

انبیاء کرام کی زبان سے کہلوایا گیا۔

وَ مَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ .(يسين . ۱۷)

اور ہم پر صاف صاف پیغام پہونچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔

سورۃ کافرون میں کہا گیا۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ . تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین

سورۃ شوریٰ میں ہے۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَاحُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ

(شوریٰ : ۱۵) اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں،

اس مضمون کی آیات قرآن میں بھری پڑی ہیں۔ مسلمانوں نے اس آئین سے کتنی وفاداری برتی۔ اس کے نظائر بھی تاریخ اسلامی میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں نمونہ کے لئے صرف ایک واقعہ پیش ہے۔

حضرت عمرؓ کے غلام وسق رومی کا بیان ہے۔ کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کا غلام تھا۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے۔ مسلمان ہو جا اگر تو اسلام قبول کر لے گا۔ تو میں تجھے مسلمانوں کی امانت کا کوئی کام سونپ دوں گا کیوں کہ میرے لئے یہ روا نہیں کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کی امانت کے کام پر متعین کر دوں، مگر میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس پر وہ کہتے تھے۔

لا اکراہ فی الدین۔ پھر جب ان کی وفات کا وقت آپہونچا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ (کتاب الاموال: ۱ / ۱۵۴)

تبلیغ کے باب میں یہ پابندی لگائی گئی کہ جارحانہ انداز اختیار نہ کیا جائے۔ کسی کی مذہبی شخصیات یا مقامات کی توہین نہ کی جائے اور اسلوب بیان کو انتہائی خوشگوار بنانے کی

کوشش کی جائے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (الانعام-۱۰۸)

جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو۔

ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتی هی احسن. (العنکبوت-۴۶)

اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر احسن طریقہ سے۔

مذہبی آزادی کے تحت تبدیلی مذہب کی آزادی کا مسئلہ بھی آتا ہے، اسلامی آئین مسلمانوں کے سوا ہر قوم کو اس کی آزادی دیتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ آزادی اس لئے نہیں کہ ایک تو دلائل کی روشنی میں اسلام سب سے سچا مذہب ہے۔ دوسرے دائرۂ اسلام میں کسی کو زبردستی یا لالچ دیکر داخل نہیں کیا جاتا۔ جو بھی آتا ہے۔ اپنی تحقیق کی روشنی میں اپنی مرضی سے آتا ہے۔ اس لئے ایک بار اپنی مرضی سے اس میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ اس سے خروج کرنا در اصل اسلام کو بدنام کرنے کی سازش کے مترادف ہوگا۔

جیسا کہ عہد نبوی میں مدینہ کے منافقین نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ صبح مسلمان ہو جاؤ اور شام کو مرتد ہو جاؤ۔ یا شام کو مسلمان ہو جاؤ اور صبح کو پھر جاؤ اس سے اسلام بدنام ہوگا اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا راستہ رک جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی آئین اپنے ہی نظریہ و مذہب کو بدنام کرنے یا اس کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے۔

اگر بالفرض یہ جبر ہے تو یہ جبر غیروں کے لئے نہیں بلکہ اپنوں کے لئے ہے اس لئے اس پر غیروں کی طرف سے اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

آئین کے مطابق اقلیتوں کو اپنی مذہبی عبادتگاہوں کے آزادانہ تحفظ اور ضرورت کے وقت نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی بھی اجازت ہے، حکومت وقت کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی قوم یا فرقہ کے مذھبی مقامات پر تسلط جمائے۔ یا ان کے مذھبی نظام

میں مداخلت کرے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے کلیسا کے ایک گوشے میں نماز پڑھی۔ پھر خیال آیا کہ مسلمان میری نماز کو حجت قرار دے کر کہیں عیسائیوں کو نکال نہ دیں۔ اس لئے ایک خاص عہد لکھ کر بطریق کو دیا جس کی رو سے کلیسا عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ اور یہ پابندی لگا دی گئی کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مسلمان کلیسا میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں، (فاروق اعظم محمد حسین ہیکل مطبوعہ لاہور/۳۰۲)

عہدِ فاروقی میں کسی بھی مفتوحہ علاقے کے گرجا یا صومع کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں،

ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ نہ منہدم کیا گیا۔ اور نہ ان سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا، (کتاب الخراج/۱۴۷)

مسلمانوں کا معاملہ اپنی ریاست کی اقلیتوں کے ساتھ کیا رہا۔ اس کے بارے میں مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کا اعتراف سنئے،

''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جتنے معاہدات ہوئے ان سب میں واضح طور پر اس امر کی ضمانت دی گئی کہ ہر ذمّی اقلیت کو اپنے مذہبی معاملات میں مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ اور یہ آزادی بعد کے زمانوں میں بھی برقرار رہی۔ عیسائیوں کے چرچ یہودیوں کے صومعے محفوظ رہے۔ بعد میں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ انہیں اپنی نئی عبادتگاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن ذمیوں کے بارے میں اس طرح کے دوسرے نئے قواعد پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔

(دی مجسٹی دیٹ واز اسلام سدوک اینڈ جیکسن لندن صفحہ ۴۷، ۱۹۷۴ء)

عالمی منشور کی دفعہ ۱۸ اس حق سے متعلق ہے۔

اقلیتوں کو اپنے مفادات کے تحفظ کی آزادی

مذہبی معاملات کی طرح اقلیتوں کو اپنے دیگر مفادات وحقوق کے تحفظ کا بھی حق حاصل ہے، اس سلسلے کا اہم مآخذ وہ حدیث ہے جو اس سے قبل گذر چکی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کرے یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کریگا، اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا"

(ابوداود۔ کتاب الجہاد)

اس باب میں حضرت حسن بصریؒ کا فتویٰ بھی مشعل راہ ہے جو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے استفتاء پر تحریر فرمایا تھا۔

ذمیوں نے جزیہ دینا اسی لئے تو قبول کیا ہے کہ ان کو ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دیجائے۔ آپ کا کام پہلے والوں کے طریقے کی پیروی کرنا ہے نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا (المبسوط)

اظہارِ خیال کی آزادی

اسلامی آئین کے مطابق ہر شہری کو اظہار خیال کا حق حاصل ہے۔ وہ کسی بھی معاملہ میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے، اسلام زبان بندی کا قائل نہیں ہے۔ قرآن میں حق کے لئے تقریر واظہار۔ اور تعمیری تنقید واصلاح کو مقام تحسین پر ذکر کیا گیا ہے۔

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران۔۱۱۰)

تم بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔

البتہ اتنی پابندی ضروری ہے کہ اس حق کا استعمال منفی چیزوں، یا خیر کے خلاف اور شر کی اشاعت کے لئے نہ کیا جائے۔ قرآن میں اس کو منافقوں کی صفت قرار دیا گیا ہے،

یَامُرُوْنَ بِالْمنكرو و ينهون عن المعروف (التوبة ۔۱۱۷) وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں،

روایات وآثار میں اس کے بہت سے شواہد ہیں،

حضور ﷺ کا معمول تھا کہ مختلف معاملات میں صحابہؓ سے مشورہ لیتے اور اظہار رائے پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ مثلاً جنگ اُحد کے موقعہ پر آپ کی اور معمر جلیل القدر صحابہ کرام کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر حضرت حمزہؓ اور نوجوانوں کی رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے، آپ نے دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کر جنگ کرنے کے حق میں ہے تو اسی کے مطابق عزم جنگ فرمایا۔ اور ہتھیار بندی کے لئے حجرہ میں تشریف لے گئے، اس دوران معمر صحابہ نے نوجوانوں کو عار دلائی کہ تم نے پیغمبر خدا کی رائے کا لحاظ کئے بغیر آپ کو تکلیف میں ڈالا۔ یہ سنکر نوجوان متاثر ہوئے اور معذرت کے لئے حجرہ کے سامنے جمع ہو گئے، آپؐ باہر آئے اور ان کی معذرت سنی تو فرمایا عزم کے بعد اب نبی کی شان نہیں کہ مقصد کو حاصل کئے بغیر غیر مسلح ہو جائے۔ چلو اب مدینہ کے باہر ہی میدانِ جنگ قائم ہوگا۔

(اسلام کا اقتصادی نظام حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی ر۸۹)

ایک بار آپ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔ کسی نے کہا تقسیم غنیمت مرضی الٰہی کے خلاف ہوئی ہے۔ بات بہت سخت تھی۔ مگر آپ نے معاف کر دیا۔ کسی کی آواز آئی آپ نے عدل سے کام نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا

(مشکوٰۃ علی المرقات ۷ر۱۱۸)

حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کا معاملہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ انصاری نے غصہ میں آ کر کہا اپنے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ آپ نے اس گستاخی سے درگذر کیا اور کچھ نہ فرمایا (کتاب الخراج ۵۳)

ایک غزوہ میں آپ نے اہلِ لشکر کو ہدایت فرمائی کہ فلاں فلاں مقام پر قیام کریں۔ اور پڑاو ڈالیں ایک صحابی نے دریافت کیا۔ یہ ارشاد آپ کی وحی سے ہے یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے ہے صحابی نے عرض کیا پھر تو یہ منزل مناسب نہیں۔ اس کے بجائے فلاں فلاں منزل مناسب ہو گی چنانچہ اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ (سیرت النبی شبلی ۱/۲۹۵)

حضرت ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کی ہجو میں شعر پڑھنے والی ایک عورت کے دانت اکھڑوا دیئے گئے حضرت ابو بکرؓ کے علم میں یہ بات آئی تو اپنے عامل مہاجر بن اُمیہ کو لکھا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ جو عورت مسلمانوں کی ہجو میں شعر گاتی پھرتی ہے تم نے اس کے سامنے کے دو دانت اکھڑوا دیئے ہیں، ایسی عورت اگر مسلمان ہو تو اس کے لئے زجر و توبیخ کافی تھی اسے تادیب اور مثلہ سے کم سزا دینی چاہئے۔ اور اگر یہ ذمیہ ہے تو جب اس کا شرک جیسا ظلم عظیم گوارا ہے تو اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی ہجو کا کیا درجہ ہے؟ کاش میں اس بارے میں تمہیں پہلے سے آگاہ کر سکتا۔ تب تمہیں اس سزا کا خمیازہ بھگتنا پڑتا"

(سیاسی وثیقہ جات ڈاکٹر محمد حمید اللہ/۲۱۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اظہار خیال کا حق اقلیت کو بھی یکساں طور پر حاصل ہے اس عورت کا اسلوب اظہار اگرچہ انتہائی مذموم اور جارحانہ تھا۔ مگر غالباً اقلیتی فرقے سے

تعلق رکھنے کی بنا پر نسبتاً کچھ زیادہ رعایت دی گئی۔

عالمی منشور میں بھی اس حق کو جگہ دی گئی ہے۔ مگر اس میں وہ وسعت نہیں ہے جو اسلامی منشور میں ہے۔

دفعہ۔۱۹۔ ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے، اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے۔ اور جس ذریعہ سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے علم اور خیالات کی تلاش کرے۔ انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

آزادیٔ اجتماع کا حق

ریاست کے ہر فرد کو صالح مقاصد کے لئے انجمن یا یونین قائم کرنے تعلیمی وثقافتی ادارے بنانے اور چلانے اور متعلقہ افراد کو منظم ومجتمع کرنے کا حق حاصل ہے اس لئے کہ قرآن میں امت مسلمہ کا مقصد وجود ہی صالح مقاصد کے لئے جدوجہد اور مفاسد کا انسداد بتایا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران۔ ۱۱۰)

تم وہ بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اگر پوری امت یہ کام نہ کر سکے تو کم از کم امت میں ایک طبقہ کا وجود ضروری ہے۔ جو پوری طرح اسی کام میں مشغول ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران-۱۰۴)

تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے۔ بھلائی کا حکم دے۔ اور برائی سے روکے،

اس لئے ان مقاصد کے لئے مختلف افراد و شخصیات کی تنظیم۔ اور بکھری ہوئی قوتوں کے اجتماع کی اجازت ہوگی، اسی طرح اپنے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ، شکایات کے ازالہ اور مسائل کے حل کے لئے انجمن یا یونین قائم کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا استعمال منفی مقاصد کے لئے نہ کیا جائے۔

اقوامِ متحدہ کی منشور کی دفعہ ۲۰ دیکھیے

(دفعہ ۲۰ (۱) ہر شخص کو پُر امن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے،

(۲) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

سرکاری ملازمت یا عہدے کا حق

ریاست کے ہر شہری کو سرکاری ملازمت یا عہدہ حاصل کرنے کا مساویانہ حق حاصل ہے رسول اللہ ﷺ نے متعدد جنگی مہموں میں بڑے صحابہ کی موجودگی میں چھوٹے صحابہ کو سربراہ بنا کر روانہ فرمایا جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شریک۔ تھے مگر نسبتاً کمزور درجے کے صحابیؓ کو مہم کی سربراہی دی گئی۔ اور سب نے بخوشی اس کو منظور کیا مثلاً سریہ ذات السلاسل میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ موجود تھے مگر امیر لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بنایا گیا۔ سیف البحر میں حضرت عمر فاروقؓ شامل تھے مگر امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو بنایا گیا (سیرۃ المصطفیٰ ۲/۱۵۸-۱۶۰)

متعدد جنگی مہموں میں حضرت زید بن حارثہؓ کو سربراہِ قافلہ بنایا گیا جو ایک آزاد کردہ غلام تھے اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا (سیرۃ المصطفیٰ ۲/۳۲)

غزوۂ تبوک میں یہ ہوا کہ حضور ﷺ جب مدینہ سے باہر نکلے تو حضرت علیؓ کو صرف اپنے گھر کا ذمہ دار۔ اور محمد بن مسلمۃ انصاریؓ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر فرمایا۔

زندگی کے آخری لمحات میں حضور ﷺ نے ایک لشکر ترتیب دیا تھا جس میں مہاجرین اولین اور خود حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی شریک تھے اس کا سربراہ بھی ایک غلام زادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بنایا گیا اور جب حضورؐ کے مرض کی شدت کی خبر پہونچی تو ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھی اسامہؓ کی اجازت سے حضورؐ کی تیمارداری کے لئے آنا ہوتا تھا (الطبقات الکبری ۲/۱۳۶)

حضرت عمرؓ کو ان کے عہد خلافت میں جب مکہ کے گورنر نافع بن الحارث نے بتایا کہ میں آزاد کردہ غلام ابن البریؓ کو اپنا نائب مقرر کر کے آیا ہوں تو آپ نے ان کی صفات سنیں اور پھر خوش ہو کر فرمایا

کیوں نہ ہو ہمارے نبی ﷺ فرما گئے ہیں کہ اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ بعض کو اوپر اٹھائیگا اور بعض کو نیچے گرائے گا (بنیادی حقوق ۲۸۱)

اس پر حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

صلوا خلف کل بر و فاجر (مشکوٰۃ) ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو

یعنی سیاسی یا مذہبی امامت اگر کسی ایسے شخص کو مل جائے جو معیارِ مطلوب سے کمتر ہو تو بھی اس کی اتباع سے اپنی گردن نہ کھینچو۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اگر ہمارا امیر کوئی وحشی غلام کو بنا دیا جائے تو بھی اس کی اتباع کرو (مشکوٰۃ)

ان ارشادات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معمولی سے معمولی شخص بھی بحیثیت رکن

ریاست بڑے سے بڑا منصب حاصل کرسکتا ہے۔ اور کسی شخص کو محض اس بنیاد پر اعتراض کا حق نہیں کہ یہ عہدہ جلیلہ ایک معمولی شخص کو کیوں حاصل ہوا ؟

البتہ اسلام ایک صالح قیادت کے لئے اہلیت وصلاحیت کو اہمیت دیتا ہے نا اہل اور بے صلاحیت آدمی اگر کوئی عہدہ حاصل کرلے تو قانونی طور پر اس کے لئے جواز بالیقین موجود ہے مگر یہ کسی ریاست یا قوم کے لئے اچھی علامت نہیں ہے، عالمی منشور کی دفعہ/۲۱ کے تحت اس حق کا ذکر موجود ہے،

تشکیلِ حکومت کے عمل میں شرکت

صرف عہدہ یا ملازمت کے حصول ہی پر بس نہیں بلکہ اسلامی آئین کی رو سے ریاست کے ہر شہری کو (بشرطیکہ وہ صاحب عقل وفہم ہو) حکومت کی تشکیل اور ملک کے انتظام وانصرام میں بھی شرکت کا حق حاصل ہے دراصل اسلامی تصور کے مطابق حکومت یا خلافت کسی خاص فرد۔ گروہ۔ خاندان۔نسل۔ یا جماعت کو نہیں۔ ساری انسانیت کو اور بحیثیت مجموعی پوری ملت اسلامیہ کو عطا کی گئی ہے، یہ اقتدار کوئی حقیقی اقتدار نہیں بلکہ نیابتی اقتدار ہے جو اللہ کی طرف سے بحیثیت خلیفہ انسان کو دیا گیا ہے،

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (الانعام/۱۶۵) وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا

اس لئے ہر اس شخص کو جو خلافت کا اہل ہو (یعنی مؤمن) تشکیل خلافت کے عمل۔ اور ملک کے انتظام وانصرام میں حصہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

اسی لئے اسلام نظام ریاست کو کسی ایک فرد پر منحصر نہیں کرتا بلکہ اس کو شوریٰ کا پابند کرتا ہے،

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوری۔ ۳۸) اوران کا کام باہم مشورہ سے چلتا ہے۔

خود حضورؐ کو جو صاحب وحی ہونے کی بنا پر کسی سے مشورہ لینے کے حاجتمند نہ تھے۔ یہ حکم ملتا ہے،

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (آل عمران۔ ۱۵۹) اے پیغمبر آپ ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں۔

شورائی نظام کے قیام کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس پر کسی فرد۔ خاندان یا جماعت کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ریاست کے باشعور عوام کی مشترکہ میراث ہے۔ اور ہر شخص کو اس ذریعہ سے حکومت میں شریک ہونے اور بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے،

اس باب میں جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسفؑ کے عمل سے بھی رہنمائی ملتی ہے حضرت یوسفؑ نے ریان بن الولید کی غیر اسلامی حکومت میں نہ صرف سیاسی طور پر شرکت کی اور حکومت کے نظم و انصرام میں حصہ لیا۔ بلکہ حکومت کے اعلیٰ ترین منصب پر پہونچے گئے (فوائد عثمانیہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی، سورہ یوسف)

قرآن نے ان کے سیاسی عمل میں شرکت کو اس طرح بیان کیا ہے،

قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ (یوسف۔۵۵)

یوسف نے کہا کہ مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کردو میں نگہبانی بھی کروں گا اور مجھے علم کی دولت بھی حاصل ہے

پھر مملکت مصر میں ان کو جو اقتدار حاصل ہوا قرآن نے اس کو بھی بیان کیا ہے،

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ (یوسف ۔۵۶) اوراسی طرح ہم نے یوسف کوزمین کا اقتدار بخشا۔ وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا۔

ملک پر آپ کا اقتدار کتنا مضبوط تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ لوگ اصل بادشاہ کے بجائے حضرت یوسفؑ ہی کو بادشاہ اور عزیزِ مصر کہنے اور پکارنے لگے،

قَالُوْا يٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یوسف ۔ ۷۸)

انہوں نے کہا اے عزیز اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، اس لئے آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو گرفتار کرلیں۔ آپ تو ہم کو بہت محسن نظر آتے ہیں۔

مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ حضرت یوسفؑ کو مصر کی مکمل حکومت حاصل ہوگئی تھی۔ بلکہ حکومت میں مکمل شریک تھے۔ اس کا پتہ ان کی اس دعاء سے چلتا ہے جس کو قرآن نے نقل کیا ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ (یوسف ۱۰۱) پروردگار آپ نے مجھے حکومت کی حصہ داری عنایت فرمائی۔

حضرت یوسفؑ کا یہ اسوہ قرآن نے مثبت طور پر نقل کیا ہے۔ اس لئے غیر اسلامی حکومت میں حصہ داری، اعلیٰ مناصب کے حصول اور سیاسی زندگی کی شرکت کے باب میں یہ ہمارے لئے حجت ہے، اور اسلامی منشور کی دفعات میں اس سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے،

اقوامِ متحدہ کے منشور میں بھی اس مفہوم کی دفعات شامل کی گئی ہیں،

دفعہ ۲۱ ۔ (۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہِ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعہ حصہ لینے کا حق ہے،

(۲) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت کرنے کا برابر حق ہے

(۳) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی، یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعہ ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے'

فرق یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا منشور سارے عوام کی مرضی کو حکومت واقتدار کی بنیاد بناتا ہے جبکہ اسلامی آئین کے مطابق یہ اختیار صرف اہل شوریٰ کو حاصل ہے۔ ہر کس و ناکس کو اس طرح کا اختیار حاصل نہیں۔ اسلام عوام کو یہ حق دیتا ہے، مگر اس کے لئے عوام کو اپنے شعور و فہم کی سطح بھی بلند کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا،

اذا وسد الامر الیٰ غیر اهله فانتظر الساعة (رواه البخاری ۱۰/۱۶۳)

جب معاملہ نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو

اسلام کی نگاہ میں حق رائے دہی ایک امانت ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

المستشار مؤتمن (مشکوٰة علی المرقات ۹/۲۸۳) جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے

اور امانت کے بارے میں حکم ہے،

ان تؤدوا الامانات الیٰ اهلها۔ الآیة کہ امانتیں اہل امانت تک پہنچاؤ۔

اس لئے سیاسی عمل میں شرکت۔ اور حکومت میں حصہ داری کے باب میں اسلامی آئین کی دفعات زیادہ محتاط اور محفوظ ہیں۔

حصولِ انصاف کا حق

اسلامی آئین ریاست کے ہر شہری کو (خواہ وہ اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو یا اکثریتی فرقہ سے) حصولِ انصاف کا مساوی حق دیتا ہے، اور حصول انصاف کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرتا ہے، قرابت۔ عداوت۔ قومی یا نظریاتی اختلاف۔ عہدہ و منصب کا فرق۔ کسی چیز کو انصاف کی راہ میں اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ قرآن کی متعدد آیات میں اس سلسلے کی ہدایات دی گئی ہیں اور قیام عدل کے منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

قرآن حضورﷺ کی زبان سے اعلان کراتا ہے

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ۔ (الاعراف ۲۹) اے پیغمبر! آپ کہیے کہ میرے رب نے تو راستی اور انصاف کا حکم دیا ہے

وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔ (الشوریٰ۔ ۱۵) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں

وَ اِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (المائدہ۔ ۴۳) اور اگر تم فیصلہ کرو تو ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

اسلام کے نزدیک قیام عدل کی اہمیت ذاتی اور خاندانی مفادات۔ اور امیر و غریب اونچ نیچ مذہب وملت کے فرق کے احساسات سے بالاتر ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ، شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی

بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔ (النساء ۔ ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے گواہ بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلوتہی کی تو جان رکھو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے،

اس آیت میں قیام عدل کی تمام ضروری شرطوں کی وضاحت کردی گئی ہے

۱۔ قیام عدل کے لئے سعی و کوشش انسان کا ایمانی تقاضا ہے، اس لئے اللہ نے انسانوں سے ایمان کے واسطے سے اس کا مطالبہ کیا ہے،

۲۔ شہادت کسی فریق کی ہار یا جیت کے لئے نہیں بلکہ رضاء الٰہی کے لئے دو،

۳۔ قیام انصاف کی زد اگر تمہارے ذاتی یا خاندانی مفادات پر پڑتی ہو تو اس کو گوارا کرو۔

۴۔ قیام عدل کی راہ میں کسی فریق کے مقام و منصب۔ اور معاشرتی یا معاشی حیثیت کو حائل نہ ہونے دو۔

۵۔ عدالت میں حقائق کو جوں کا توں بیان کرو اس میں اپنی خواہشات کی آمیزش کر کے واقعات کو مسخ نہ کرو۔

۶۔ بات پوری وضاحت اور صفائی کے ساتھ پیش کرو۔ گول مول باتیں نہ کرو۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ (المائدہ۔۸) کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۷۔ یعنی جماعتی اختلاف کو قیام عدل کے لئے مانع نہ بننے دو، اگر انسان میں تقویٰ اور خوفِ خدا موجود ہو تو عدل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے گا۔

اسی طرح قرآن نے مختلف گوشوں پر روشنی ڈال کر قیام عدل کے آئینی خاکہ کو مکمل کر دیا ہے، اور اس کا حصول ریاست کے ہر شہری کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

دراصل اسلام کے نزدیک عدل۔ یا شہادت۔ محض کوئی عدالتی کھیل یا صرف ہار جیت کا معاملہ نہیں بلکہ یہ ایک بڑی عبادت ہے جو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے اسی لئے اسلامی آئین کے مطابق عدل وانصاف ریاست کے ہر شہری کا ایسا حق ہے جو اسے مفت ملنا چاہیئے، انصاف کی قیمت وصول کرنا کسی صورت میں جائز نہیں، یہ کسی مظلوم کے ساتھ دوہرا ظلم ہوگا کہ اس سے انصاف کی فیس وصول کی جائے،

آج کی عدالتوں میں انصاف کی جو تجارت ہو رہی ہے۔ اور بڑی عدالتوں اور ان کے وکلا کی بھاری فیسوں نے انصاف کے دروازے کو عام لوگوں کے لئے جس طرح بند کر دیا ہے اس کی اسلامی آئین میں کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام ناکافی یا فرضی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلے کا بھی مخالف ہے۔ اسلامی آئین کے مطابق فریقین کو اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اور محض الزامات کی بنیاد پر کسی کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ جب تک کہ آزادانہ طور پر اس کی مکمل تحقیق نہ ہو جائے۔

قرآن کہتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبِإٍ فَتَبَيَّنُوْا ۔ الآية

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لیکر آئے تو اس کی تحقیق کرو

اسلام نے تحقیق کا جو بلند معیار رکھا ہے۔ اس سے زیادہ بلند معیارِ تحقیق ممکن نہیں

اسی طرح جھوٹی شہادتوں کو کبائر گناہ میں شمار کیا گیا ہے، اوران کو کفر و شرک کا ہم پلہ کہا گیا ہے۔

عن خزيم بن فاتك قال صلى رسول الله ﷺ صلاة الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال عدلت شهادة الزور بالا شراك بالله ثلث مرات۔ (مشكوة على المرقات ۷/۲۶۰،۲۶۱)

حضرت خریم بن فاتک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمایا کہ جھوٹی شہادت شرک کے ہم پلہ گناہ ہے، یہ تین بار فرمایا۔

بلکہ اسلام نے جھوٹے دعویداروں کو بھی سخت تنبیہ کی ہے، کہ عدالتوں میں جھوٹے دعوے لیکر نہ جاؤ اس لئے کہ اگر تمہاری چرب زبانی یا جھوٹی شہادتوں کی بنا پر تمہارے حق میں فیصلہ ہو بھی جائے، تو بھی خدا کے نزدیک وہ چیز تمہارے لئے جائز نہ ہوگی، بلکہ خدا کی عدالت میں تمہارا جرم اور شدید ہو جائے گا،

حضور اکرم ﷺ نے ایسے ہی معاملات کے لئے فرمایا،

انما انا بشر و انكم تختصمون الّي و لعل بعضكم ان يكون الحن بحجته من بعض فاقضى له علىٰ نحو ما اسمع منه فمن قضيت له بشئى من حق اخيه فلا يأخذنه فانما اقطع له من النار ۔ متفق عليه (مشكوة على المرقاة :۷/۲۵۴)

میں تو ایک بشر ہوں۔ میرے سامنے جو لوگ قضیہ لیکر آتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ باتیں بنانے والا ہو۔۔اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، اور سمجھوں کہ یہی سچا ہے، بس جس کسی ایسے شخص کے لئے میں اس کے بھائی کے حصہ میں فیصلہ کر دوں تو اسے چاہیئے کہ وہ اس میں سے کچھ نہ لے۔ کیوں کہ وہ سمجھ لے کہ میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔

اسلامی آئین میں اقلیت و اکثریت اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ وہ ایک اقلیتی فرقے کے فرد کو اکثریتی فرقے کے فرد کے خلاف بلکہ خود حاکم و سلطان کے خلاف مقدمہ دائر کر کے حق دیتا ہے۔ اس کی سماعت کرتا ہے، اور معتبر شہادتوں کی بنیاد پر آزادانہ فیصلے کرتا ہے۔ وہ نہ کبھی اکثریتی طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور نہ حکومت و دولت کی قوت سے اور یہ صرف نظریہ نہیں بلکہ عملی طور پر تاریخ اسلامی میں اس کی مثالیں اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ دنیا کی کسی قوم و ملک کی عدالتی تاریخ ان کا جواب پیش نہیں کر سکتی،

حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوگئی اور وہ ایک یہودی کے پاس ملی۔ حضرت علیؓ قاضی شریح کی عدالت میں مدعی کی حیثیت سے پیش ہوئے، قاضی شریح نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ابوتراب! اپنے فریق کے برابر بیٹھئے،

قاضی صاحب نے محسوس کیا کہ یہ بات حضرت علیؓ کو بری لگی ہے، وہ بولے ابو تراب شاید آپ کو میری یہ ہدایت ناگوار گذری حالانکہ اسلام کی قانونی اور عدالتی مساوات کا تقاضا یہی ہے کہ آپ اپنے فریق کے برابر بیٹھیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا، مجھے یہ چیز بری نہیں لگی کہ آپ نے مجھے فریق مقابل کے برابر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ بلکہ مجھے جو چیز ناگوار گذری وہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے کنیت کے ساتھ خطاب کیا اور اس طرح

میرے فریق کے مقابلے میں میری عزت افزائی کی۔ یہ میرے فریق کے ساتھ صریح ناانصافی ہے (اسلامی ریاست: ۴۵)

حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ حضرت زیدؓ نے مدعا علیہ کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کی تعظیم کرنی چاہی۔ تو حضرت عمرؓ نے اظہار ناراضگی فرمایا اور کہا کہ یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، آپ مدعی مقدمہ حضرت ابی بن کعبؓ کے برابر بیٹھے اور مدعی کے گواہ نہ پیش کر سکنے پر قسم کے لئے رضامند ہو گئے۔ اس پر ابی بن کعبؓ کو قاضی زید نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس پر برہم ہو گئے اور فرمادیا کہ زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔ (المبسوط سرخسی مطبوعہ مصر ۲۲/۷۷)

جبلہ بن ایہم غسانیؒ نے ایک بدوی کو تھپڑ ماردی بدوی نے مقدمہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پیش کر دیا حضرت فاروقؓ نے قصاص کا فیصلہ فرمادیا۔ اس پر جبلہ بن ایہم نے احتجاجا کہا۔

امیر المومنین یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے اور میں بادشاہ ہوں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسلام نے آپ دونوں کو بھائی بھائی بنا دیا، آپ صرف تقویٰ اور طہارت سے اس پر فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، اور کسی صورت سے نہیں۔

(سیرت عمر بن خطابؓ طنطاوی ۲۵۶)

والی مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک بار حضرت عمرؓ کے بے لاگ فیصلوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا، امیر المومنین! فرض کیجئے کہ ایک شخص کہیں کا گورنر ہے، اور کسی کو سزا دیتا ہے تو کیا آپ اس سے بھی قصاص لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس سے بھی مظلوم کو قصاص دلاؤں گا کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنی ذات کو بھی قصاص کے لئے لوگوں کے سامنے پیش فرماتے تھے

(کتاب الخراج لابی یوسف بحوالہ الفاروق شبلی)

اقوام متحدہ کے منشور میں بھی ان حقوق کا ذکر کیا گیا ہے ۸۔۹۔۱۰۔۱۱۔ نمبر کی دفعات اسی سے متعلق ہے۔

دفعہ ۸۔ ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں۔ با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقہ پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

دفعہ ۹۔ کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند۔ یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۰۔ ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقہ پر ہو۔

دفعہ ۱۱۔ (۱) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے۔ بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے، اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔

مگر اس کی دفعات میں وہ جامعیت نہیں جو اسلامی دفعات میں موجود ہے۔

عادلانہ برتاؤ کا حق

اسلامی آئین کی رو سے ریاست کا ہر شہری عادلانہ برتاؤ کا مستحق ہے، اور دشمنی یا کسی سفلی جذبے کے زیر اثر کسی کے ساتھ جانبداری کرنے کی اجازت نہیں ہے، سخت سے

سخت دشمن کو بھی عادلانہ برتاؤ کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے کہا گیا ہے۔

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (۵۔۸)

کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے،

اسلام کے نزدیک یہ قطعاً درست نہیں ہے کہ دوستوں کے ساتھ تو عدل وانصاف کا برتاؤ ہو اور دشمنوں کے ساتھ اس اصول کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اسلامی آئین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کسی قانون کو محض نظریہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس آئین کے پیش کرنے والے اور اس کے اولین حاملین نے خود اس کو برت کر دکھایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور اپنے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کرنے لگا۔ اس نے بھری محفل میں سخت کلامی کی۔ اس کے گستاخانہ طرز تخاطب پر صحابہ کو غصہ آ گیا اور اس کی تنبیہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے کہنے دو، اسے کہنے دو۔ صاحب حق کو بولنے کا حق حاصل ہے۔

(بخاری شریف ، باب استقراض الابل : ج ۱/ ۳۲۱)

حضرت علیؓ نے ایک نصرانی کو بازار میں اپنی زرہ فروخت کرتے دیکھا تو اس سے کہا زرہ میری ہے۔ اس کے انکار پر مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے حضرت علیؓ سے شہادت طلب کی وہ پیش نہ کر سکے چنانچہ فیصلہ نصرانی کے حق میں سنا دیا گیا اور خود حضرت علیؓ نے اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا شریح! تم نے ٹھیک فیصلہ کیا، فیصلہ سن کر نصرانی حیرت زدہ رہ گیا اور بولا۔ یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے کہ امیر المومنین کو بھی

عدالت میں آنا پڑتا ہے، اور انہیں اپنے خلاف فیصلہ بھی سننا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زرہ امیر المومنین ہی کی ہے یہاں کے اونٹ سے گر گئی تھی، میں نے اٹھالی،

(تہذیب تاریخ ابن عساکر دمشق ۳۰۶/۶)

دنیا کے کسی ملک وقوم کی عدالتی تاریخ عادلانہ برتاؤ کی ایسی شاندار مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ظلم وجبر کے خلاف آئینی چارہ جوئی کا حق

اسلام نے دیگر عدالتی حقوق کی طرح شہریوں کو ظلم وجبر کے خلاف آئینی چارہ جوئی کا بھی حق دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ (النساء۔۱۴۸)

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو، یعنی مظلوم شخص ظلم کے خلاف آواز بلند کرسکتا ہے،

مشہور حدیث ہے۔

افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر (مشکوۃ علی المرقاۃ: ۳۲۲/۷)

افضل ترین جہاد اس شخص کا ہے جو کسی حق سے ہٹے ہوئے سلطان کے آگے کلمہ حق کہے،

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

انصر اخاك ظالماً او مظلوماً فقال رجل يا رسول الله انصره مظلوماً فكيف انصره ظالماً قال تمنعه من الظلم فذلك نصرك اياه ۔

متفق علیہ (مشکوۃ علی المرقاۃ :۹/۲۱۵)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کریں گے۔ مگر ظالم ہو تو کیسے مدد کریں؟ فرمایا اسے ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک شخص کو مالِ غنیمت میں زیادہ حصہ طلب کرنے پر بیس کوڑے لگوائے اور اس کا سر منڈوا دیا۔ وہ شخص ان بالوں کو جمع کر کے سیدھا مدینہ پہونچا اور حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی بالوں کا گچھا ان کے سینے پر دے مارا اور بڑے اکھڑے لہجے میں بولا۔ دیکھ بخدا آگ، حضرت عمر نے فرمایا ہاں بخدا آگ۔ وہ بولا امیر المومنین میں بہت بلند آواز اور دشمن پر بہت دباؤ ڈالنے والا انسان ہوں۔ میرے ساتھ ایسا ایسا کیا گیا ہے میرے بیس کوڑے لگائے گئے ہیں۔ اور سر کے بال منڈوائے گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کی گستاخی پر غضب ناک ہونے کے بجائے فرمایا۔

بخدا! اگر سارے لوگ اس جیسے عزم والے ہوں تو یہ بات مجھے اس سارے مالِ غنیمت سے زیادہ عزیز ہے جو اب تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے

(سیرۃ عمر بن الخطابؓ۔ طنطاوی/۱۸۴)

اور شہریوں کے اس حق کا برملا اعلان بھی خلفاء اسلام اپنے اپنے عہد میں کرتے رہے حضرت ابو بکرؓ نے اپنے خطبۂ خلافت میں فرمایا کہ اگر سیدھا چلوں تو میری مدد کرو اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک بار امت کی قوت احتساب کا جائزہ لینے کی خاطر فرمایا کہ اگر میں بعض معاملات میں ڈھیل اختیار کرلوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت بشر بن سعدؓ کھڑے ہوئے اور تلوار نیام سے کھینچ کر کہا۔ ہم تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ

نے ڈانٹ کر کہا، کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میاں تمہاری شان میں، حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر کہا۔ الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہو جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے۔ (الفاروق ۵۱۱/۲)

اسلام ظلم کے خلاف صرف احتجاج ہی کا حق نہیں دیتا بلکہ یہ حق بھی دیتا ہے کہ اگر یہ احتجاج بے اثر ثابت ہو تو ظالم کی اطاعت سے انکار کر دیا جائے۔ اور اس کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے اس لئے کہ عدل و انصاف امارت کی شرط اولین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واذا ابتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن قال انى جاعلك للناس اماما قال و من ذريتى قال لا ينال عهدى الظالمين (البقرہ۔ ۱۲۴)

جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے کئی باتوں میں آزمایا جن کو انہوں نے پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا۔ میں تجھے لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، ابراہیم نے عرض کیا، اور کہا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے

اس طرح اسلام نے انسانی برادری کے ہر فرد کو مکمل انسانی حقوق دیئے ہیں اور ان حقوق کے لئے یقینی تحفظات بھی فراہم کئے ہیں۔ خواہ اس کا تعلق اقلیت سے ہو یا اکثریت سے۔ اور چاہے اقلیت اسلامی حکومت میں آباد ہو یا غیر اسلامی حکومت میں۔ انسانیت کے ناطے دنیا کی ساری آبادی یکساں سلوک کی مستحق ہے۔

دوسروں کے اعمال سے اظہار برأت کا حق

اسلامی قانون کسی کو دوسروں کے اعمال کا ذمہ دار نہیں قرار دیتا، خواہ وہ اس کا

قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو؟ اور ریاست کے ہر شہری کو حق دیتا ہے کہ وہ دوسروں کے اعمال سے اپنی برآت اور لاتعلقی کا اظہار کرے۔ اسلامی آئین کی رو سے ہرگز اس کی گنجائش نہیں کہ ایک کی غلطی کی بنیاد پر دوسرے کو ماخوذ کیا جائے۔ قرآن نے ایک قطعی ضابطہ کا اعلان کیا ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

(انعام: ۱۶۴)

جو شخص کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

لَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (البقرۃ: ۱۹۳)

ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں

تاریخ کی کتابوں میں حجاج بن یوسف کا واقعہ ملتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تعلق سے اسلامی تاریخ کے ظالم سے ظالم حکمراں بھی کس قدر حساس ہوتے تھے۔

حجاج بن یوسف نے قطری بن فجاءۃ نامی شخص کو گرفتار کیا اور کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ قطری نے پوچھا وہ کس لئے؟ حجاج نے جواب دیا اس لئے کہ تیرے بھائی نے میرے خلاف چڑھائی کی ہے۔ قطری نے کہا کہ میرے پاس امیر المومنین کا خط ہے کہ میرے بھائی کے جرم میں آپ مجھے ماخوذ نہ کریں۔ حجاج نے کہا۔ کہاں ہے وہ خط؟ مجھے دکھاؤ قطری نے جواب میں کہا۔ ”میرے پاس تو اس سے بھی زیادہ واجب التعمیل خط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے“

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی (انعام ۱۶۴)

کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حجاج کو یہ جواب پسند آیا اور مسکرا کر اسے رہا کر دیا

(سراج المسلوک طرطوسی مطبوعہ مصر ۶۹ بحوالہ بنیادی حقوق)

اقوام متحدہ کے منشور میں اس تعلق سے کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔

گناہوں سے پرہیز کا حق

(الف) اسلامی ریاست کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ معصیت کے عمل سے اپنے کو محفوظ رکھے، اسلامی آئین کی رو سے کسی کو ایسے عمل پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس سے اس کے عقیدے کے مطابق کوئی معصیت لازم آتی ہو۔ امیر وقت کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں۔ اسلام نے امیر کی اطاعت کے حدود مقرر کئے ہیں۔ قرآن میں صاف حکم ہے۔

لَا تُطِيعُوٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ (الشعراء۔۱۵۱)

زیادتی کرنے والوں اور حد سے متجاوز ہونے والوں کی اطاعت نہ کرو

حدیث پاک میں ارشاد ہے

لا طاعة لمخلوق في معصية الله عز و جل (مسند احمد، ۱۲۷ حدیث نمبر ۱۰۹۵، عن علیؓ۔ و ۱۳۳۱ حدیث نمبر ۳۸۸۹ عن ابن مسعودؓ)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔

ترمذی شریف کی روایت ہے۔

من امر کم منهم بمعصية فلا سمع و لا طاعة (ترمذی ۲۰۴)

کوئی اگر تمہیں معصیت کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنو اور نہ اطاعت کرو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، اور اگر اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سمع ہے نہ طاعت، (متفق علیہ)(مشکوۃ:۳۱۹رباب الامارۃ)

ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق

اسی سے یہ دفعہ بھی نکلتی ہے کہ اگر حاکم اپنے ماتحت کو کسی ناجائز عمل کا حکم کرے تو ماتحت کو حق ہے کہ اس کی اطاعت سے انکار کردے، اسلامی آئین کی رو سے یہ شخص نہ صرف یہ کہ مجرم نہیں۔ بلکہ قابل تحسین ہے۔ ایسا شخص اگر کسی خطرہ کا احساس کرے تو اسے قانونی تحفظ بھی فراہم کیا جائے گا۔ قرآن کا حکم ہے

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (سورۃ نحل۔۳۶)

سرکش و ظالم سے پرہیز کرو

خلفاء راشدین نے اس سلسلے میں جو نمونے چھوڑے ہیں وہ حقوق انسانی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد پہلا خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا۔

''میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔ لیکن مجھ سے اگر کوئی ایسا کام سرزد ہو جس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ (سیرت ابوبکرؓ ۸۶ر محمد حسین ہیکل)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

"میں اللہ کی فرماں برداری کرتے ہوئے تم کو جو حکم دوں اس کی اطاعت تم پر فرض ہے، خواہ وہ حکم تمہیں پسند ہو یا ناپسند، اور جو حکم میں تمہیں اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دوں تو معصیت میں کسی کے لئے اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔" (کنز العمال: ۲۵۸۷/۵)

اقوام متحدہ کے منشور میں اس بارے میں کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔

معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ

اسلامی آئین یتیموں اور بیماروں محتاجوں اور کمزوروں کو بھی پورا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ عام طور پر ان چیزوں کا شمار اخلاقی حقوق میں کیا جاتا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ عام انسانی حقوق ہیں۔ جو بحیثیت انسان انسان کو ملنے چاہئیں، دنیا کے کسی منشور حقوقِ انسانی میں انسانیت کے کمزور اور خستہ حال طبقہ کے لئے الگ سے کوئی دفعہ موجود نہیں ہے، جبکہ اسلامی منشور میں اس طبقہ کے حقوق پر بڑی وضاحت اور تاکید کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن میں مسکینوں، مسافروں اور غریب رشتہ داروں کے حقوق پر گفتگو کرتے ہوئے حکم دیا گیا

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم۔۳۸)

پس رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کرو، یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی رضا کے طلبگار ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

سورہ ماعون میں یتیم کو دھتکارنے والوں اور مسکینوں کو کھانا نہ دینے والوں کی

مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ٥ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ٥ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ٥ (الماعون/۱ تا ۳)

کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کا کھانا دینے پر اکساتا نہیں ہے۔

احادیث نبویہ میں اس تعلق سے بے شمار ہدایات موجود ہیں،

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله

(بیہقی) مشکوۃ/۴۲۵ - باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ شخص ہے، جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے،

نیز آپ نے ارشاد فرمایا

من اغاث ملهوفا كتب الله ثلثاً و سبعين مغفرة ، واحدة فيها صلاح امره كله و ثنتان و سبعون له درجات يوم القيمة

(بیہقی) (مشکوۃ/۴۲۵)

جو کسی مظلوم کی دادرسی کرے گا اللہ اس کو بہتر (۷۳) مغفرتوں سے نوازے گا، جن میں صرف ایک مغفرت اس کے اصلاح احوال کے لئے کافی ہے باقی بہتر مغفرتیں روز قیامت باعث بلندی درجات ہونگی،

خاص کر پڑوسیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا

لا يومن احدكم حتى يامن جاره بوائقه (احمد بیہقی، مشکوۃ/۴۲۵)

اس شخص کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جس کا پڑوسی اس کی زیادتیوں سے محفوظ نہ ہو

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا

لیس المومن الذی یشبع و جارہ جائع الی جنبه

(بیہقی) (مشکوۃ ۴۲۴)

وہ شخص مومن نہیں جو خود آسودہ ہو اور اس کے بغل میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

یتیموں کے بارے میں آپ نے فرمایا

من آوی یتیماً الی طعامه و شرابه او جب الله له الجنة البتة الا ان یعمل ذنباً لا یغفر (شرح السنہ) مشکوۃ ۴۲۳)

جو شخص کسی یتیم کو پناہ دے گا، اور اپنے کھانے پینے میں اس کو شریک کرے گا۔ اللہ اس کے لئے جنت واجب کردیں گے۔ الا یہ کہ اس کے بعد وہ کسی ایسے عمل کا مرتکب ہو جو قابلِ معافی نہ ہو"

ایک اور موقع پر فرمایا،

خیر بیت فی المسلمین بیت فیه یتیم یحسن الیه و شر بیت فی المسلمین بیت فیه یتیم یساء الیه (ابن ماجہ) مشکوۃ ۴۲۳)

مسلمانوں کا بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہوتا ہو، اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ ناروا سلوک کیا جائے

حضور اکرم ﷺ نے ایک عام ضابطہ کے بطور اعلان فرمایا۔

لا یرحم الله من لا یرحم الناس (متفق علیہ) مشکوۃ ۴۲۱)

اللہ اس شخص کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرے گا جس کا معاملہ لوگوں کے ساتھ رحم والا نہیں ہوگا،

عورتوں کو تحفظ ناموس کا حق

ایک اور اصولی حق جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ عورت کی عصمت ہر حال میں واجب الاحترام ہے اور ہر عورت کو اپنے ناموس کی حفاظت کا پورا حق حاصل ہے، اسلام نے عورتوں کی عصمت وعفت کی حفاظت کے لئے بہت مفصل ہدایات دی ہیں اور ہر ممکن طور پر ان کی حفاظت کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ جنگ کے اندر دشمنوں کی عورتوں سے بھی اگر سابقہ پیش آئے تو کسی مسلمان سپاہی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ بدکاری ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ کسی قوم کی عورت سے کی جائے اور عورت اپنی عصمت کی حفاظت کا حق رکھتی ہے خواہ وہ کسی قوم کی ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

من قتل دون عرضه فهو شهيد.

کہ جو شخص اپنی عزت کی حفاظت کے لئے مارا جائے وہ شہید ہے

خیر کی بنیاد پر تعاون حاصل کرنے کا حق

اسلامی آئین کی رو سے ایسا شخص ہر ممکن تعاون کا مستحق ہے جو نیکی کا کام کر رہا ہو خواہ اس کا تعلق کسی ملک وقوم سے ہو۔ اور ایسا شخص ہرگز تعاون کا مستحق نہیں جو شر و عدوان کے کام میں کسی سے مدد کا خواستگار ہو۔

جذبۂ خیر انسانی ہمدردی کا طالب ہے۔ اور انسانیت کے ناطے ایسے شخص کا حق بنتا ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور ممکن حد تک اس کی مدد کی جائے۔

قرآن میں اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(مائدہ۔۲)

نیکی اور خدا ترسی کے کام میں سب سے تعاون کرو اور ظلم و گناہ کے کام میں کسی سے تعاون نہ کرو

''بر'' کے ایک معنی عربی زبان میں ''حق رسائی'' کے بھی ہیں، یعنی اگر کوئی شخص دوسروں کے جائز حقوق کے لئے کوشش کر رہا ہو تو وہ بھی عام انسانی ہمدردی اور تعاون کا حقدار ہے۔

اس کی مثال میں معاہدہ حلف الفضول کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس کے بارے میں مورخین کا خیال ہے کہ یہ عربوں کا سب سے شریفانہ اور کریمانہ معاہدہ تھا، اس کا قصہ یہ تھا کہ زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ سامان تجارت لیکر آیا۔ اور قریش کے ایک سردار عاص بن وائل نے یہ سب سامان خرید لیا۔ لیکن اس کا حق اس کو نہیں دیا، زبیدی نے سرداران قریش کی حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت و وجاہت کی وجہ سے انہوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اس کو سخت سست کہہ کر واپس کر دیا، اب زبیدی نے اہلِ مکہ سے فریاد کی اور ہر با حوصلہ، صاحب ہمت اور حق و انصاف کے حامی شخص سے جو اسے مل سکا شکایت کی، آخر کار ان لوگوں میں غیرت نے جوش کیا اور یہ سب لوگ عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ انہوں نے ان سب کی دعوت و ضیافت کی، اس کے بعد انہوں نے اللہ کے نام پر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ سب ظالم کے مقابلہ اور مظلوم کی حمایت میں ایک ہاتھ کی طرح رہیں گے اور کام کریں گے۔ جب تک ظالم مظلوم کا حق نہ دے دے۔ قریش نے اس معاہدہ کا نام ''حلف الفضول'' یعنی فضول کا معاہدہ رکھا۔ اور کہنے لگے کہ انہوں نے ایک فالتو کام میں جو ان کے فرائض میں نہیں آتا تھا دخل اندازی کی ہے بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس میں فضل نام کے تین

اشخاص شامل تھے۔ پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے۔ اور زبیدی کا سامان واسباب ان سے زبردستی لیکر زبیدی کو واپس کیا۔

قبل بعثت رسول اللہ ﷺ اس معاہدہ میں شریک ہوئے۔ اور آپ اس سے بہت خوش تھے۔ اور بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف وتحسین کی اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا، جس میں اگر اسلام کے بعد بھی مجھے بلایا جاتا تو میں ضرور شریک ہوتا۔ انہوں نے یہ معاہدہ اس بنیاد پر کیا تھا کہ وہ حق، حق دار تک پہونچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غلبہ نہ حاصل کر سکے گا۔

(سیرت ابن کثیر ۱ / ۲۵۸ بحوالہ نبی رحمت ۱۱۲ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

عالمی منشور میں اس کے بارے میں کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع

”حقوق انسانی کا پہلا مکمل منشور“

یہ جو کچھ عرض کیا گیا دراصل تشریح ہے حقوقِ انسانی کے اس عظیم الشان اسلامی منشور کی جس نے تاریخ میں پہلی دفعہ حقوقِ انسانی کا مکمل نقشہ پیش کیا، اور ان کے تحفظات کی ضمانتیں فراہم کیں۔ یہ خطبہ حجۃ الوداع ہے جو نبی آخر الزماں نے قدسیوں کے سب سے بڑے اجتماع میں پیش فرمایا تھا۔

○ ساری تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ اور اس کے حضور اظہارِ ندامت کرتے ہیں۔ ہم اپنے دلوں کی فتنہ انگیزیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں کے مقابلے میں اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے اسے کوئی دوسرا گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ ہدایت کی توفیق نہ دے اسے کوئی راہِ راست پر نہیں چلا سکتا۔

○ اور میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔

- اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کی تلقین کرتا ہوں۔
- میں آغازِ کلام اس بات سے کرتا ہوں جو باعث خیر ہے۔
- لوگو! سنو! میں تمہیں وضاحت کے ساتھ بتاتا ہوں۔ کیوں کہ شاید میں اس سال کے بعد کبھی تم سے اس جگہ نہ مل سکوں۔
- لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے،
- تم میں اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے۔
- کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔
- ہاں! جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ اور جاہلیت کے تمام آثار و مفاخر ختم کیے جاتے ہیں صرف سدانہ (کعبہ کی نگرانی و نگہبانی) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے عہدے باقی رہیں گے۔
- قتل عمد کا بدلہ قصاص ہے۔ شبہ عمد وہ قتل ہے جو لاٹھی یا پتھر سے وقوع میں آئے، اس کی دیت سو (۱۰۰) اونٹ مقرر ہے جو زیادہ چاہے گا وہ اہل جاہلیت میں سے ہوگا۔
- اہل قریش! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر دنیا کا بوجھ لدا ہو، جبکہ دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہونچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔

- اہل قریش! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو خاک میں ملا دیا ہے، اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے لئے تفاخر کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔
- لوگو! تمہارا خون اور تمہارا مال تمہارے لئے حرام (محترم) ہیں یہاں تک کہ قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہو، جس طرح اس دن اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے نزدیک مسلم ہے۔
- عنقریب تم سب خدا کے آگے جاؤ گے، پس وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پُرس فرمائے گا۔
- دیکھو میرے بعد کہیں گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں گردنیں مارنے لگو۔
- دیکھو! میں نے حق پہونچا دیا ہے۔
- اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہونچا دے۔
- تمام سودی کاروبار آج سے ممنوع ہیں، البتہ تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے، جس میں اوروں کا نقصان نہیں اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جہاں تک عباس (ابن عبد المطلب) کے سود کا معاملہ ہے، تو میں اس تمام سود کو کالعدم قرار دیتا ہوں۔
- زمانۂ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں اور (اپنے خاندان میں سے) پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کا ہے، جسے بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔
- لوگو! خدا نے میراث میں سے ہر وارث کا جداگانہ حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے اب وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز نہیں۔

- جان لو کہ لڑکا اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔
- خبردار! جو کوئی اپنا نسب بدلے گا، یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ اپنی نسبت قائم کرے گا۔ اس پر خدا کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اور قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا،
- قرض قابل ادائیگی ہے۔
- عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی۔
- اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے تو اسے تاوان ادا کرنا چاہئے۔
- دیکھو اب ایک مجرم اپنے جرم کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔
- لوگو! شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا کہ اس زمین میں اس کی پرستش کی جائے گی، لیکن اس بات پر بھی راضی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے، اس لئے تم اس سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرو،
- لوگو! نسئی (مہینے کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا) کفر کے طرز عمل میں اضافہ ہے، کافر اس سے گمراہی میں پڑ جاتے ہیں کہ ایک سال تو (اپنی نفسانی غرض سے) اسے حلال ٹھہراتے ہیں، پھر دوسرے سال (جب کوئی ذاتی غرض نہ ہو) اس کو حرام کہہ دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو گنتی (حرام مہینوں کی) مقرر کر رکھی ہے، اسے پورا کرلیں، اس طرح وہ اللہ تعالی کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں، اور اس کے حلال کئے ہوئے مہینے کو حرام، اور زمانہ گھوم پھر کر اسی جگہ آ گیا ہے جہاں سے کائنات کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا۔

○ مہینوں کی گنتی خدا کے پاس (سال میں) بارہ ہے، ان میں سے چار محترم ہیں کہ تین (ذی قعدہ، ذی الحجہ، اور محرم) تو متواتر ہیں۔ اور ایک الگ آتا ہے ،یعنی رجب جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے بیچ میں ہے،

○ لوگو! جس طرح تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں، اسی طرح ان پر بھی تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں۔

○ ان پر لازم ہے کہ وہ تمہاری خوابگاہوں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو (گھر میں) تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہ ہونے دیں جس کا داخل ہونا تمہیں پسند نہ ہو، اور کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں، اگر وہ کوئی ایسی بات کریں تو تم کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ (ان کی اصلاح کے لئے) ان کو جدا کر سکتے ہو، خوابگاہوں سے الگ کر سکتے ہو اور ایسی بدنی سزا دے سکتے ہو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو، پھر اگر وہ باز آجائیں تو (حسب حیثیت) ان کا کھانا کپڑا تمہارے ذمہ ہے۔

○ پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اور ان سے بہتر سلوک کرو کیوں کہ وہ تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں ،تم نے ان کو خدا کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں،

○ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

○ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، اور تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں، کہ اگر تم اس پر قائم رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت،

- اور تم لوگ غلو سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کے باعث ہلاک ہو گئے،
- لوگو! میری بات سنو اور سمجھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔
- کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جسے اس کا بھائی برضا و رغبت عطا کر دے۔
- اپنے نفس پر اور دوسروں پر زیادتی نہ کرو۔
- اور ہاں اپنے غلاموں (اور نوکروں) کا خیال رکھنا، جو تم کھاؤ اس میں سے ان کو کھلاؤ، جو تم پہنو اس میں سے ان کو پہناؤ، اگر وہ کوئی ایسی غلطی کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کر دو، اور انہیں سزا نہ دو،
- لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر یا نبی ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت ہے، خوب سن لو، اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، مال کی زکوۃ بخوشی ادا کرو، خانۂ خدا کا حج ادا کرو،
- اپنے حکام کی اطاعت کرو اس طرح اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔
- لوگو! سنو اور اطاعت کرو، اگر چہ تم پر کوئی نکٹا، حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے، جو تم پر کتاب اللہ کو قائم کرے۔
- لوگو! حج کے مسائل مجھ سے سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے،
- اچھی طرح سن لو! تم میں سے جو حاضر ہے اسے چاہئے کہ یہ باتیں وہ غائب کو پہونچا دے، شاید ان سے جسے یہ پہونچے اس کا زیادہ محافظ ہو، بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے اسے سنا ہے،

- ہاں بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، لوگ کہتے گئے، ہاں! بیشک، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ!
- اور ہاں قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا، مجھے ذرا بتاؤ کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے پکار کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام پہونچا دیا، امت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا، حقیقت سے سارے پر دے اٹھا دیئے اور امانت الٰہی کو ہم تک کما حقہ پہونچا دیا۔
- تب نبی اکرم نے اپنی انگشت شہادت کو تین بار آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکایا پھر فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

ایک وضاحت

یہ پورا خطبہ کسی ایک باب میں ایک مقام پر مسلسل موجود نہیں ہے، اس کے اجزاء مختلف ابواب میں بکھرے ہوئے ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، (باب حجۃ النبی و باب الدیات) اور ابوداؤد (باب الاشہر الحرم و حجۃ النبی) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ۔ حضرت ابو امامہ باہلیؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کئی صحابہؓ کی روایتوں سے منقول ہے، ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں، مثلاً ان دمائکم واموالکم حرام علیکم کحرمۃ الخ، اور بعض باتیں الگ ہیں، مغازی و سیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا، اس کی اس نے روایت کی۔ روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے، حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس خطبہ کا دن یوم عرفہ

یعنی ۹ رذی الحجہ اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابن عباس اور دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ رذی الحجہ بتاتے ہیں، بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے، ابن ماجہ، ترمذی اور مسند احمد میں خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں، جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپ نے یہ فرمایا، بہر حال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ رذی الحجہ یوم عرفہ کو، ۱۰ رذی الحجہ یوم النحر کو اور تیسرا خطبہ ایام التشریق میں ۱۱ ر یا ۱۲ ر ذی الحجہ کو، ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں، بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا، اور آپ جو پیغام اپنی امت کو پہونچانا چاہتے ہیں، وہ نہایت اہم تھا، اس لئے آپ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے ہیں،

(منتقی الاخبار لابن تیمیہ مع نیل الاوطار بحوالہ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی: ۲ ر ۱۵۴، ۱۵۵)

مجوزہ بلڈنگ جامعہ ربانی